"تہذیب اور روائیتیں تمہاری بُش شرٹ نہیں کہ جب چاہو بدل ڈالو۔"
"مگر ڈیڈی، یہ کینسر بھی تو نہیں، جس سے نجات ممکن نہ ہو۔"

"یہاں لوگ ایک دوسرے کو فلیٹ کے نمبروں سے جانتے ہیں۔"
"نام بھی تو ایک نمبر ہی ہے۔ فرق صرف ہندسوں اور حروف کا ہے۔"

"وہ ہم لوگوں کی طرح مہذب اور ماڈرن نہیں ہے نا، اسی لئے اُسے ہپوکریسی نہیں آتی۔"

"میں یہ برداشت کر سکتی ہوں کہ گڈو کینسر سے مرجائے مگر یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ دوسرا کینسر آپ کو لگ جائے ..... (روپئے) لوٹا دیجئے ....."

بصد خلوص

جناب خطیر امام صاحب کی خدمت میں۔

[illegible]

۱۸ فروری ۱۹۸۵ء

دوپہر کے بعد

شفیع مشہدی
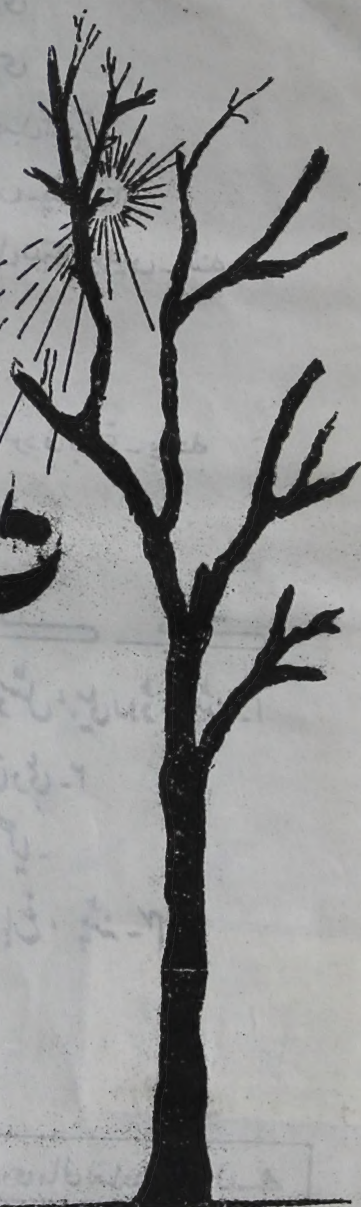
دوپہر کے بعد ـــــ ڈراموں کا مجموعہ
تصنیف ـــــ شفیع مشہدی
ترتیب ـــــ ذکیہ مشہدی
خوشنویسی ـــــ ابوالکلام عزیزی - عبدالجبار
سرورق ـــــ جے - ٹی - ایس پرنٹرس - پٹنہ - ۴
طباعت ـــــ دی آرٹ پریس - لیبل لیتھو پریس - پٹنہ
باراوّل ـــــ ایک ہزار
قیمت ـــــ پچیس ۲۵ روپئے.
ناشر ـــــ مکتبۂ ادب - ۵/۱۶ گردنی باغ - پٹنہ

ملنے کے پتے

- سی ۲۱۱ نیو افیسرس ہوسٹل، بیلی روڈ - پٹنہ - ۱
- ۱۸۷ - راؤز ایونیو - نئی دہلی - ۲
- زماں منزل، نادرہ گنج - گیا -
- بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ۴
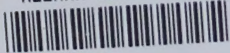
اس کتاب کی اشاعت میں بہار اُردو اکادمی کا جُزوی مالی تعاون شامل ہے

ڈراموں کے تمام کردار اور نام فرضی ہیں۔

ذکیہ کے نام ....

ڈرامے

پس منظر

یہ سوال اکثر اٹھایا گیا ہے کہ ڈرامے کی اصل خوبی کیا ہے۔ کیا اس کی اصل خوبی یہ ہے کہ جب یہ اسٹیج پر کیا جائے تو دیکھنے والوں کو متاثر کرے یا اس کی خوبی یہ ہے کہ جب اسے کتاب کی حیثیت سے پڑھا جائے تو اس کی ادبی شان پڑھنے والے کے دل میں گھر کرلے لیکن اسٹیج پر اس کا تاثر کسی خاص خوبی یا حُسن کا حامل نہ ہو۔ ڈرامے کو اسٹیج کا فن کہنے والے نقادوں کا خیال ہے کہ ڈرامہ کا ادبی حُسن ایک ثانوی چیز ہے لیکن اس نقطۂ نظر کی بعض دشواریاں بھی ہیں مثلاً بہت سے ڈرامے اسٹیج کے لئے لکھے ہی نہیں گئے یا بہت سے ڈرامے جس قسم کے اسٹیج کے لئے لکھے گئے، اب اس کا وجود نہیں ہے۔ پہلی بات کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو ڈرامہ اسٹیج کے لئے نہیں لکھا گیا وہ ڈرامہ ہی نہیں ہے اور دوسری بات کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ قدیم اسٹیج یا بدیسی اسٹیج جس کے لئے ڈرامہ لکھا گیا تھا موجود نہیں بھی ہے تو بھی ڈرامہ اسٹیج پر اپنی اثریت برقرار رکھے گا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ آج اس کا تاثر اس تاثر سے کچھ مختلف ہو جو اصل قدیمی یا بدیسی اسٹیج پر کھیلے جانے سے حاصل ہوتا۔

ڈرامہ اسٹیج کا فن ہے، یہ بات اس چیز سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ ڈراموں کا ڈائرکٹر

یا ایکٹر دونوں مل کر ڈرامے کو اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ اس کی تعبیر کچھ بدلی ہوئی نظر آئے۔ مثلاً ھیملٹ کو اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ وہ کوئی داستانی افسانہ معلوم ہو۔ یا ھیملٹ کا کردار اس طرح بھی پیش کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے ایک بے عمل نوجوان کی جگہ ایک سخت گیر اور ضدّی مزاج کا انسان نظر آئے۔

ان باتوں کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈرامہ کے فن میں اسٹیج مقدم ہے کیونکہ اسٹیج پر کھیلے جانے کے ذریعہ ہی ڈرامے کی مختلف تعبیریں ممکن ہیں۔ لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ڈرامے کی ادبی حیثیت کمزور ہو لیکن وہ اسٹیج کے لئے اچھا ثابت ہو۔ فلموں کی مثال سامنے کی ہے کہ اکثر فلموں میں ادبیت نام کو نہیں ہوتی لیکن پھر بھی وہ کامیاب ٹھہرتی ہیں۔ اُردو میں ڈرامے کا میدان محدود ہے لیکن یہاں بھی یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ جن ڈرامہ نگاروں نے اسٹیج کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے وہ ان ڈرامہ نگاروں سے بہتر ثابت ہوئے ہیں، جنھوں نے ادبیت کی تلاش میں قلم توڑے ہیں۔ لیکن یہ طے کرنا بھی آسان نہیں کہ اسٹیج کے تقاضے کیا ہیں۔ یونانی ڈراموں میں کرداروں کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہیں ہوتی اور وہ لمبے لمبے مکالمے بھی نہیں بولتے اس کے برخلاف برنارڈ شا کے یہاں کئی کردار ہوتے ہیں اور اس کے اکثر کردار لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں۔ سجّاد انصاری کا نامکمّل ڈرامہ " روزِ جزا " جو برنارڈ شا کے "مین اینڈ سُپر مین" کے طرز پر ہے اپنے طویل مکالموں کے لئے آج بھی ممتاز ہے۔ اس طرح بعض ڈراموں میں منظر جلد از جلد بدلتا ہے اور بعض میں پورا پورا ایکٹ ایک ہی منظر پر مبنی ہوتا ہے۔ دونوں طرح کے ڈرامے کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی اس سے پتہ چلا کہ اسٹیج کے تقاضوں کے بارے میں کوئی قطعی حکم لگانا آسان نہیں۔

شفیع مشہدی کی اس کتاب میں چھ ڈرامے شامل ہیں۔ یہ سب کے سب ریڈیو کے لئے لکھے گئے تھے۔ ریڈیو ڈرامے اور اسٹیج ڈرامے میں کوئی بنیادی فرق نہیں، تھوڑے بہت ردّ و بدل کے ساتھ اسٹیج ڈرامے کو ریڈیو پر اور ریڈیو کے ڈرامے کو اسٹیج پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

شفیع مشہدی کے ڈراموں کی نمایاں خوبی مکالموں کی برجستگی ہے۔ ڈرامے کے بعض ایسے طریقے جو اسٹیج پر آسانی سے نہیں برتے جا سکتے مثلاً فلیش بیک یا مناظر کی کثرت یا تنوع، ان کا استعمال مشہدی نے بڑی خوبی سے کیا ہے۔

ڈرامے کے فن کا بنیادی عنصر یہ ہے کہ مکالمے کے ذریعے واقعات ظاہر ہوں اور کردار کی تصویر کشی بھی ہو۔ شفیع مشہدی اس نکتہ سے بخوبی آگاہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے ڈراموں کا یہ مجموعہ جو معاصر زندگی کے کئی پہلوؤں کی نقاب کشائی کرتا ہے، بہت کامیاب ثابت ہوگا۔

شمس الرحمٰن فاروقی

نئی دلی ۲ مئی ۱۹۸۲ء

فلیش بیک

ڈرامہ موثر ترین وسیلۂ ترسیل ہے۔ مگر اس حقیقت کے باوجود اُردو میں ڈرامے کی صنف کو فروغ نہ مل سکا۔ دوسری اصنافِ ادب جیسے شاعری یا افسانہ نگاری کے مقابلے میں اُردو ڈراموں کا سرمایہ تقریباً صفر ہی ہے جبکہ دوسری ہندوستانی زبانوں میں اس کا سرمایہ خاصہ وسیع ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس موثر ترین وسیلے نے اردو کے اہلِ قلم کو اپنی طرف متوجہ کیوں نہیں کیا اور جو چند اہلِ قلم متوجہ بھی ہوئے وہ تاریخی کہانیوں کو ڈرامے کا روپ دینے سے آگے کیوں نہیں بڑھ سکے؟ ایسا کیوں ہوا؟ اِس سوال کا جواب دینا تو محققین کے ذمے ہے مگر تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کر کے ہم ماضی کو دیکھیں، تو دیگر اسباب کے ساتھ ایک بڑا سبب یہ بھی سامنے آئے گا کہ اُردو ڈراموں کے فروغ کے لئے اسٹیج نہیں مل سکا۔ آج بھی اُردو ڈرامے اسٹیج کی زینت نہیں بن پاتے۔ اگر ریڈیو بھی اردو ڈراموں کی تھوڑی پذیرائی نہ کرتا تو شاید یہ صنف اردو ادب سے معدوم ہی ہو جاتی۔ میں اس صورتِ حال کو اردو ادب کا ایک المیہ تصور کرتا ہوں۔

اِس پس منظر میں، میں نے ڈرامے لکھنے کی شروعات کی تھی اور آج چند ڈراموں کا مجموعہ پیش خدمت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے کئی ڈراموں کے مسودے ضائع ہو گئے اور اس کتاب میں شمولیت سے محروم رہ گئے۔

میں نے اِن ڈراموں میں ذاتی مشاہدات اور معاصر زندگی کی چھوٹی چھوٹی مگر اہم باتوں کو موضوع بنایا ہے۔ یہ سارے کردار میرے جانے پہچانے ہیں۔ میرے لئے کوئی اجنبی نہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اِن سے اجنبیت محسوس نہیں کریں گے۔ یہ سارے کردار جیتے جاگتے، چلتے پھرتے، ہمارے اور آپ کے گرد موجود ہیں۔

اِس کتاب میں شامل ڈراموں میں سے پانچ ریڈیو سے نشر شدہ ہیں۔ آخری ڈرامہ "مٹھی بھر خاک" تازہ ترین ہے اور ہنوز نشر نہیں ہوا ہے۔ اِسے اسٹیج کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور ممکن ہے کہ جب یہ کتاب آپ تک پہونچے، یہ ڈرامہ اسٹیج ہو چکا ہو۔ ہر چند کہ یہ تمام ڈرامے ریڈیو کے لئے لکھے گئے ہیں مگر اِن تمام ڈراموں کو، معمولی ترمیم کے بعد اسٹیج کیا جا سکتا ہے۔

اگر یہ کتاب اہلِ قلم کو ڈرامے کی طرف متوجہ کر سکے تو میں سمجھوں گا کہ میری کوشش رائیگاں نہیں گئی۔

[signature]

اَجنبی دیواریں
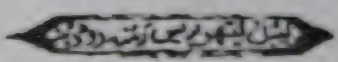
کردار

شاھد — ڈرامے کا خاص کردار جو سرکاری افسر ہے۔
سُلطانہ — شاہد کی بیوی۔
اشرف — شاہد کا شاعر دوست۔
حمایت — شاہد کا دوست۔
رعنا — حمایت کی بیوی۔
ناظم — حیدرآباد کا رہنے والا — شاہد کا دوست۔
رحمان — شاہد کا دوست جو ڈاکٹر ہے۔
رشیدہ — رحمان کی بیوی۔
شرما — شاہد کے پڑوسی۔

اس کے علاوہ — چیئرمین، چترویدی، چپراسی، شرماجی اور دیگر افراد۔

فلیش بیک کے کردار — شاہد کے اباجان، امی جان اور نوکر شرفو۔

پس منظر — بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کا متوسط، تعلیم یافتہ طبقہ

پہلا سین

[شاہد کا گھر۔ صبح کا وقت - دروازہ کھٹکھٹانے کی
آواز آتی ہے۔]

سلطانہ — (نیند سے بھری آواز) کون ہے ---- ؟

دودھ والا — دودھ ہے مالکن۔

سلطانہ — اچھا۔ ذرا رُک جاؤ۔

شاہد — (نیم بیداری میں) صبح ہو گئی کیا..... ؟

سلطانہ — اور نہیں تو کیا شام ہوئی ہے۔

شاہد — (انگڑائیاں بھرتے ہوئے) ارے کیوں گھبراتی ہو ڈیئر! صبح ہوئی ہے تو شام بھی ہونی ہی ہے۔

سلطانہ — اچھا، اچھا! فلسفہ چھوڑیئے اور ذرا دودھ لے لیجئے۔

شاہد — کیا سویرے سویرے دودھ کی بات کرتی ہو..... اس وقت تو بس چائے کا تذکرہ ہی خوش گوار لگتا ہے۔ تم لے لو..... دودھ۔

سلطانہ — آپ کیوں نہیں لے سکتے .... چائے کے لئے بھی تو دودھ چاہئے۔

دودھ والا — (کھٹ کھٹ کرتا ہے) مالکن دودھ لے جاؤ۔

سلطانہ — اللہ! اُٹھنے کا بھی ..... یا..... ۔

شاہد — تم کیوں نہیں اُٹھتیں کاہل الوجود۔ بندہ تو اُٹھنے کا نہیں، جب تک چائے نہ مل جائے۔ (شاہد پھر لیٹ کر خود پر چادر کھینچ لیتا ہے۔)

سلطانہ — تو پھر پڑے رہئے دن بھر..... دیکھتی ہوں کون چائے بناتا ہے۔

(غصہ میں پیر پٹکتے ہوئے دودھ لانے جاتی ہے۔ اور پھر وقفے کے بعد
واپس آتی ہے۔)

شاهد۔ (ہنستے ہوئے) رات خواب تو نہیں دیکھا تم نے؟

سلطانہ ۔ کیوں ..... ؟

شاهد ۔ سویرے سویرے لڑائی پر آمادہ ہو۔ ویسے .....۔

سلطانہ ۔ کیا ویسے ؟

شاهد ۔ (چہرہ سے چادر ہٹاکر رومانی لہجہ میں) بڑی خوبصورت لگ رہی ہو....
یہ بکھرے بکھرے بال..... یہ اُڑی اُڑی سی رنگت ..... یوں کہ ......
تری صبح کہہ رہی ہے تری رات کا فسانہ۔

سلطانہ ۔ چائے کا پانی گیس پر رکھ دیا ہے، چنانچہ خوشامد کی ضرورت نہیں ہے۔
(ہنستی ہے اور کمرے سے باہر چلی جاتی ہے۔)

شاهد ۔ (ہنستے ہوئے) بس یہی ادائیں تو مار جاتی ہیں۔ (لمبی سانس لے کر)
اے مالک! تو نے عورت بنا کر بڑا احسان کیا ہے ورنہ یہ دنیا کس قدر
بے رنگ ہوتی۔

سلطانہ ۔ (واپس آکر میز پر چائے کی ٹرے رکھتے ہوئے) اللہ کا شکر ادا
بعد میں کریں گے۔ یہ رہی موئی بیڈ۔ ٹی۔ جس کے لئے اتنا فلسفہ بگھار
رہے تھے۔

شاهد ۔ ہے، ہے کیسی غیر شاعرانہ باتیں کرتی ہو۔ مولانا آزاد کی روح کو تکلیف
پہنچی ہوگی..... اِسے بیڈ۔ ٹی کہتی ہو اور وہ بھی "موئی" توبہ کرو توبہ —
گناہ ہوگا۔ مولانا اِسے جامِ صبوحی کہتے تھے — (سلطانہ باہر چلی جاتی ہے۔
چائے اُنڈیلتے ہوئے) واہ واہ، کیا رنگ آیا ہے۔ خدا کی قسم تمہارے
عارض کے گلابوں میں بھی یہی رعنائی ہے۔

سُلطانہ — (دُور باورچی خانہ سے بولتی ہے) کیا کہا.... ؟ یہ سویرے سویرے
رعنا کا تذکرہ کیا لے بیٹھے ؟
شاھد — (آہستہ سے) ہے مالک! عورت اتنی خوبصورت بنائی تھی تو تھوڑی عقل
بھی دے دیتے۔ (زور سے بولتا ہے) میں چائے کی رعنائی کی بات کر رہا ہوں
اور تمہیں اپنی دوست رعنا یاد آ گئیں — یہاں آؤ ایک کپ چائے پی لو۔
نیند ٹوٹ جائے گی۔ (سلطانہ کمرے میں آ جاتی ہے۔)
سلطانہ — آپ ہی پیجیے سویرے سویرے چائے اور وہ بھی بغیر دانت صاف
کئے .... میری تو توبہ ہے۔ (واپس جانے لگتی ہے)
شاھد — ارے.... کہاں چلیں۔ دو گھڑی پاس تو بیٹھو بھاگیہ وان۔
سُلطانہ — کیا بھاگیہ وان! ابھی دونوں ہنومان اٹھ جائیں گے تو گھر کو سر پر
اٹھا لیں گے۔ میں ذرا مُنّے کا دودھ بنا لوں۔ اُٹھتے ہی "دودھ" کا نعرہ
لگائے گا تو چائے جو شاندہ بن جائے گی۔
شاھد — (ہنستا ہے) بات تو ٹھیک ہے مگر کتنے پیارے ہیں دونوں۔ اجی ہنومان
نہ ہوتے تو پوری رامائن کا لطف جاتا رہتا..... اچھا ذرا تمباکو کا پورچ
تو اٹھا دو۔
سُلطانہ — بس صبح ہوئی اور آپ کا سگریٹ شروع..... میں کہتی ہوں اس قدر
سگریٹ پینے کا فائدہ .... ؟
شاھد — (گمبھیر آواز میں) اب کہو گی جینے کا فائدہ کیا ہے ؟ — جانِ جاں! اسی
فائدے نقصان کے چکّر نے تو لوگوں کی زندگی کو اجیرن بنا دیا ہے۔
سُلطانہ — باپ رے.... شروع ہو گیا فلسفہ.... میں چلی کچن سنبھالنے۔ جب سے
نوکر بھاگا ہے، مصیبت میں جان آ گئی ہے۔ منّی نے وعدہ کیا تھا۔ جاتے
ہی نوکر بھیج دیں گی..... اور یہاں سات دن ہو گئے..... شاید ممّی سے

بنا رہی ہوں گی (بڑبڑاتی ہے) جانے اللہ میاں نے مجھے عورت کیوں بنایا۔ مرد ہوتی تو صاحب بہادر کی طرح پلنگ پر لیٹی لیٹی چائے چائے چلاتی ہوتی۔

شاھد — ارے بھائی کیوں گالیاں دے رہی ہو۔ میں آکر ناشتہ بنا دیتا ہوں۔ بس.....۔

سلطانہ — اللہ توبہ۔ میں گالیاں کیوں بکنے لگی۔ عورتوں کی قسمت کو رو رہی ہوں۔ چاہے کتنا بھی پڑھ لکھ لیں۔ ہاتھ سے ہانڈی کی سیاہی نہیں چھوٹتی۔

شاھد — ارے یار! تمہاری زبان میں اس قدر روانی ہے کہ واللہ لطف آجاتا ہے۔ ہاتھوں کی مہندی کا محاورہ سنا تھا۔ مگر "ہانڈی کی سیاہی" کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ کس قدر جدید ترکیب ہے۔

سلطانہ — بالکل جدید — آپ کی غزلوں سے بھی زیادہ جدید۔

شاھد — سبحان اللہ! ہانڈی اور جدید غزل کا کیا خوبصورت موازنہ کیا ہے آپ نے۔

سلطانہ — موئی جدید شاعری تو ہانڈی سے بھی گئی گزری ہے۔ ہانڈی میں تو کچھ کھانے کو بھی مل جاتا ہے۔ جدید شاعری میں جلی ہوئی ہانڈی کی بو کے سوا کچھ بھی نہیں۔

شاھد — آہستہ بولو۔ کوئی ناقد سُن لے گا تو تمہارے جملے اپنے مضمون میں نقل کر دے گا۔ اور کسی شاعر نے سُن لیا تو دس بارہ جدید نظمیں سنا کر تمہارا ہاضمہ خراب کر دے گا اور کسی پروفیسر نے سُن لیا تو تمہیں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری دے دے گا۔

سلطانہ — چھوڑیئے بھی اِس قصے کو۔ ۸ بجنے کو ہیں۔ ناشتے میں کیا بنے گا؟ نہ ڈبل روٹی ہے، نہ انڈا.... مکھن بھی ختم۔

شاھد ۔ کھٹّن تو بات ہی تم نے ختم کر دیا تھا۔
سُلطانہ ۔ میں نے ختم کر دیا تھا کھٹّن ؟ (چونک کر کہتی ہے)
شاھد ۔ ہاں ! مسٹر پانڈے کو لگا لگا کر کھٹّن ختم ہی کر دیا تھا تم نے ۔
سُلطانہ ۔ (کھِل کھِلا کر ہنستی ہے) ارے توبہ ۔ کس کا تذکرہ چھیڑ دیا آپ نے ....
کل کلب کی میٹنگ میں دیکھا تھا نا آپ نے مسٹر پانڈے کو ۔ ساٹھ سال سے
اوپر کی ہو گئیں مگر سلیولیس بلاؤز .... سُرخ ساڑی ، میک اَپ اور اُس پر
پائل کی جھنکار .... اور مسٹر پانڈے ! بال سفید ہو گئے مگر بیوی کے آگے پیچھے
اس طرح پھدکتے ہیں جیسے ..... ۔
شاھد ۔ بے چارے پانڈے جی ۔
سلطانہ ۔ بے چارے نہیں .... بیوی سے واقعی محبت کرتے ہیں .... آپ کی
طرح کٹھوڑے ہی ہیں ۔
شاھد ۔ آ گئی شامت ۔ ذرا شبو کا پانی دے دو ۔ مجھے دیر ہو جائے گی ۔ آفس
میں میٹنگ ہے ۔
سلطانہ ۔ ہاں ہاں کیوں نہیں ۔ سچ بات کہہ دوں تو کیسی پھُرتی آ گئی ۔
(دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)
شاھد ۔ کون ہے بھائی .... ؟
آواز ۔ میں تین سو ایک (۳۰۱) ہوں ۔
شاھد ۔ میں دو سو گیارہ (۲۱۱) ہوں بھائی ۔ (دروازہ کھولتا ہے) آیئے تین سو ایک
صاحب ۔ کیا حال ہیں ؟
سلطانہ ۔ آیئے رحمان صاحب ۔ آداب ۔ بہت سویرے تیار ہو گئے ۔
شاھد ۔ اِس میں ڈاکٹر رحمان کا قصور ہی کیا ہے .... مریض کی موت کا وقت
نزدیک آ گیا ہو گا ۔ (سب ہنستے ہیں)

ڈاکٹر ۔۔ ہاں بھائی! گھر آئے مہمان کو جو کچھ کہنا ہے، کہہ لو۔

شاہد ۔۔ اچھا .... تو مہمان ہیں آپ ۔ بہت خوب ۔ سلطانہ! ذرا جلدی سے چائے بنادو۔

ڈاکٹر ۔ نہیں نہیں، چائے نہیں پیوں گا .... ذرا اسکوٹر کی چابی دے دو۔ مجھے راج بنسی نگر تک جانا ہے۔

شاہد ۔ واپس بھی آنا ہے نا۔

ڈاکٹر ۔ ابھی آتا ہوں ۔ تم تیار ہو جاؤ۔

سلطانہ ۔۔ رُک جائیے ۔ ابھی چائے دے رہی ہوں ۔

ڈاکٹر ۔ نہیں نہیں .... چائے رہنے دیجئے ۔

شاہد ۔ یار تم بھی کس قدر گھٹیا آدمی ہو۔ چائے سے انکار کر رہے ہو۔ آخرت کی کوئی فکر نہیں ..... عورت کا دل دُکھاتے ہو۔

سلطانہ ۔ لیکن آپ کو میں چائے نہیں دوں گی ..... ایک ہی پیالی بنائی ہے۔

شاہد ۔ ایک ہی پیالی؟ ۔۔ ڈاکٹر تم جاؤ .... تمہیں دیر ہو رہی ہے اور جلدی آنا بھی ہے ۔ میں پی لوں گا تمہارے بدلے۔

(سب ہنستے ہیں) ۔۔۔ (ڈاکٹر چلا جاتا ہے)

شاہد ۔ کبھی کبھی عام لوگ بھی کس قدر ادبی بات کر جاتے ہیں ۔ ڈاکٹر نے اپنا نام تین سو ایک بتایا ہے ۔ کیا بھرپور طنز ہے زندگی پر ۔ آدمی کتنا ترقی کر گیا .... اب کوئی اسے نام سے نہیں جانتا ۔ سب ایک دوسرے کو فلیٹ کے نمبروں سے جانتے ہیں ۔ تین سو ایک ..... تین سو دو ..... دو سو گیارہ ۔ (ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے) ٹھیک ہی تو ہے ۔ اس پانچ منزلہ کنکریٹ کے جنگل میں انسان رہتے بھی کہاں ہیں ۔۔ میں یہ نہیں جانتا کہ میرے اوپر کے فلیٹ میں کون رہتا ہے ۔۔ حالانکہ اُس کا بیڈ روم مجھ سے صرف آٹھ فٹ اوپر ہے ۔ مگر یہ آٹھ فٹ کا

فاصلہ آٹھ میل سے بھی زیادہ طویل ہے اور یہ فاصلہ اب کبھی طے نہیں ہو سکتا۔

سلطانہ — رشیو کا پانی ٹھنڈا ہو گیا اور آپ فاصلہ طے کر رہے ہیں۔ کیسا فاصلہ۔ یہ آٹھ میل اور دس میل کیا ہو رہا ہے۔ T. A. Bill بنانا ہے کیا ......؟

شاھد — (ہنس کر) خدا کی قسم ...... ذہانت کوئی تم سے لے۔ کیا T. A. Bill سے رشتہ جوڑا ہے ...... سارا فلسفہ گھاس کھانے لگا۔

سلطانہ — چلئے جلدی بھی کیجئے ...... ورنہ آپ کو بھی کھانی پڑے گی۔

(دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز)

شاھد — نہ جانے اب کون سا نمبر آیا ہے؟ کون ہو بھائی۔ (آہستہ سے) کم از کم چین سے رشیو تو کرنے دیا ہوتا۔ (دروازہ کھولتا ہے)

آنیوالا — آداب۔

شاھد — آداب۔ کہئے ...... کسے تلاش کر رہے ہیں آپ؟

آنیوالا — کیا آپ بتا سکیں گے کہ رمیش بابو کا فلیٹ کون سا ہے؟

شاھد — رمیش بابو؟ کون سے نمبر میں رہتے ہیں؟

آنیوالا — یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ اسی افسر ہوسٹل میں رہتے ہیں اور پشو پالن وبھاگ میں انڈر سکریٹری ہیں۔

شاھد — پشو پالن وبھاگ میں ہیں تب تو ضرور یہیں رہتے ہوں گے۔

آنیوالا — "جی"

شاھد — جی نہیں! میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر آپ کو نمبر معلوم ہوتا تو میں بتا سکتا تھا۔

آنیوالا — لیکن نام تو بتا رہا ہوں صاحب۔

شاھد — یہاں لوگ ایک دوسرے کو نمبروں سے جانتے ہیں ...... نام سے نہیں۔

آنیوالا — مگر صاحب۔ میں تو اُن کا نام ہی جانتا ہوں ...... ذرا میری مدد کیجئے۔ ایک گھنٹہ سے تلاش کر رہا ہوں۔ پانچوں منزلوں پر گھومتے گھومتے پریشان ہو گیا۔

شاھد — اچھا یہ بتائیں — وہ بنگالی ہیں، پنجابی ہیں یا بہاری ہیں ؟

آنیوالا — صاحب یہ بھی تو میں نہیں جانتا۔ اُن سے کبھی ملا نہیں ہوں۔

شاھد — تو کیا آپ اتنا جانتے ہیں کہ وہ برہمن ہیں .... کائستھ ہیں .... راجپوت ہیں۔ کیا ہیں ؟

آنیوالا — صاحب۔ میں یہ بھی نہیں بتا سکتا۔ بس وہ رمیش کمار ہیں۔ اور پھر میں کوئی شادی کا رشتہ تھوڑے ہی لے کر آیا ہوں..... آپ ان کی ذات پوچھ کر کیا کریں گے ؟ ..... مجھے تو بس سرکاری کام سے ملنا ہے۔

شاھد — بھائی صاحب! برا ماننے کی بات نہیں۔ اگر وہ بنگالی ہوتے تو میں سامنے گھوش بابو سے پتہ چلاتا...... کائستھ ہوتے تو پاس کے پرشاد صاحب سے دریافت کرتا اور برہمن ہوتے تو جھا جی سے پوچھتا ..... مگر مشکل ہے کہ نام کے سوا آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔

آنیوالا — (جھلّاکر) میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ انسان ہیں۔

شاھد — (برجستہ کہتاہے) اور انسان ملتا نہیں...... اُس پر طُرّہ یہ کہ پشوپالن وبھاگ کے انسان ہیں۔ بھئی اِس نئے ترقی یافتہ دور میں انسان مل جائے تو مجھ سے بھی ملائیے گا۔ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا ..... معاف کیجئے گا۔

(دروازہ بند کرتا ہے) چلے آتے ہیں اس کنکریٹ کے جنگل میں انسان کو ڈھونڈھنے اور وہ بھی جانوروں کی دنیا کا انسان ..... ہونہہ۔

دوسرا سین

[دفتر کا کمرہ ۔ شاہد اپنے دفتر میں بیٹھا ہے ۔ کچھ لوگ کھڑے ہیں ۔
فون کی گھنٹی بجتی ہے ۔]

شاھد ۔ ہیلو ۔ ٹوڈبل فور فائیو وَن ..... شاہد بول رہا ہوں ۔ جی ہاں دفتر ہی سے
بول رہا ہوں ۔ آپ ؟ ..... اچھا ، اچھا ، اشرف صاحب ۔ آداب عرض ...
کیسے یاد کیا بندہ نواز آپ نے ..... اِتنے دنوں کہاں رہے ..... ضرور ضرور
..... تشریف لائیے ..... بالکل ..... بالکل ..... میں چھ بجے گھر پر انتظار
کروں گا ۔ زہے قسمت راستے میں آنکھیں بچھائے رہوں گا .... ضرور تشریف
لائیں ۔ (ریسیور رکھ دیتا ہے) (خود کلامی) چلو آج کی شام بھی غارت ہوئی ۔
سُلطانہ سے وعدہ کیا تھا کہ آج ہنتھوہ مارکٹ جاکر بجلی کا تندور ضرور خرید دوں گا ۔
اب یہ اشرف صاحب نازل ہو کر بور کریں گے اپنی شاعری سے ۔ سلطانہ الگ
چراغ پا ہوگی ..... بے چاری ۔ ہفتوں سے تندور کی خاطر ضد کر رہی تھی ...
آج تندور نہیں آیا تو وہ مجھے ہی روسٹ کر دے گی یا شامت ! ....

آواز ۔ سَر !

شاھد ۔ (چونک کر) اِبں .... پانڈے ۔ کیا بات ہے ؟

پانڈے ۔ چیئرمین صاحب سلام بولتے ہیں ۔

شاھد ۔ اچھا ، اچھا ۔ میں پانچ منٹ کے اندر آرہا ہوں (دوسرے لوگوں کی طرف
مخاطب ہو کر) آپ لوگوں کو کیا کام ہے ؟

ایک ۔ صاحب ! میری پرموشن والی فائل اِبتک پنڈنگ ہے حضور ..... !

شاھد ۔ عجیب الخلقت ہو یار ..... فائل ہے تو پنڈنگ رہے گی ہی ۔ دراصل

فائل کا نام فائل نہ رہ کر اب پنڈنگ ہونا چاہیئے تھا — ہاں مگر کس کے پاس پنڈنگ ہے ؟

ایک ۔ صاحب ! بڑا بابو کے پاس ۔

شاهد ۔ اچھا ایک درخواست لکھ کر دے دو ..... میں دیکھ لوں گا ۔

ایک ۔ صاحب ! تین درخواستیں دے چکا ہوں ۔

شاهد ۔ تو بھائی میرے ..... چوتھی دینے میں کیا اعتراض ہے ۔ کاغذ دفتر کا، سیاہی دفتر کی تو تمہیں کیوں افسوس ہوتا ہے ۔ (دوسرے کی طرف مخاطب ہوتا ہے) ہاں بھئی، آپ کس لئے کھڑے ہیں ؟

دوسرا ۔ صاحب ! کل سے میں ریٹائر ہو جاؤں گا ۔

شاهد ۔ مبارک ہو، ۵۸ سال پورے ہو گئے نا ۔

دوسرا ۔ جی ۔ مگر صاحب .....

شاهد ۔ مگر کیا ..... ؟ میاں نوکری کرتے کرتے تھک گئے ہوں گے آپ ..... اب آرام کیجئے ۔

دوسرا ۔ مگر صاحب ! میرے پانچ بچّے ہیں ..... لڑکی کا بیاہ کرنا ہے ..... بڑا لڑکا کالج میں پڑھتا ہے ۔ دوسری کوئی آمدنی نہیں ۔ پنشن سے گزارہ کیسے ہو گا ؟

شاهد ۔ بھائی یہ مسئلے سب کے ساتھ ہوتے ہیں ..... آخر آپ چاہتے کیا ہیں ؟

دوسرا ۔ بڑی مہربانی ہو گی صاحب اگر مجھے ایک دو سال کا ایکسٹنشن دے دیا جائے ۔

شاهد ۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے مگر ایسا ممکن نہیں ہے ۔ یہ سروس پالیسی کے خلاف ہے ۔

دوسرا ۔ حضور مائی باپ ہیں ۔ میں مر جاؤں گا ۔

شاهد ۔ بڑی مشکل ہے ۔ ۵۸ سال کی عمر میں ریٹائر ہونے کے بعد بھی مزید غلامی کا

طوق پہننے کو آپ تیار ہیں!

دوسرا۔ کیا کروں صاحب۔ مجبوری ہے۔

شاہد۔ زندگی بذات خود مجبوری کا دوسرا نام ہے۔ مگر میرے ساتھ بھی مجبوری ہے۔ آپ کو ایکسٹنشن دینے کا مطلب ہے کہ میں کسی ایک ایسے نوجوان کو ملازمت دینے سے انکار کردوں جو برسوں سے ہاتھ میں ڈگری لئے در در کی خاک چھان رہا ہے۔ نہیں صاحب۔ میں اُس نوجوان کے ساتھ بے انصافی نہیں کرسکتا۔ بوڑھوں کو نوجوانوں کے لئے جگہ خالی کرنی ہی چاہئے۔

دوسرا۔ مگر حضور.....

شاہد۔ (سخت آواز میں) میرے پاس بحث کے لئے وقت نہیں۔ آپ درخواست دے کر جا سکتے ہیں۔ مجھے چیئرمین کے پاس جانا ہے۔ (اُٹھ کر چلا جاتا ہے۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز)

(وقفہ)

(چیئرمین کا کمرہ — شاہد داخل ہوتا ہے)

شاہد۔ گڈ مارننگ سر۔

چیئرمین۔ آئیے شاہد صاحب۔ کیسے مزاج ہیں....؟

شاہد۔ نوازش ہے آپ کی جناب۔

چیئرمین۔ آپ سے ملئے (تعارف کراتا ہے) ... یہ ہیں راشٹریہ بھاشا وبھاگ کے پردھان چترویدی صاحب اور یہ ہیں شاہد صاحب ہمارے پرشاسن ندیشک۔

شاہد۔ بڑی پرسنتا ہوئی آپ سے مل کر۔ نام تو بہت سنا تھا مگر کبھی ملنے کا اوسر نہیں ملا تھا

چترویدی۔ نمشکار۔

چیئرمین ۔ چترویدی صاحب یہ دیکھنے آئے ہیں کہ ہمارے نگم میں کام ہندی میں ہوتا ہے
یا نہیں۔

شاہد ۔ ضرور ضرور۔ ہمارے کاریالیہ میں تو سارا کام راشٹر یہ بھاشا میں ہی ہوتا ہے۔
میں اس کے سارے آنکڑے ابھی منگواتا ہوں۔

چترویدی ۔ بات یہ ہے نِدیشک جی کہ راشٹریہ بھاشا کے پرچار کے لئے آوشیک ہے
کہ کاریالیہ کا سارا کام راشٹریہ بھاشا میں ہو۔ اور اسی لئے میں سویم سبھی
کاریالیوں کا نریکشن کر رہا ہوں۔ اِس انگریجی سے ہمیں مُکتی پراپت کرنی ہی ہوگی۔

چیئرمین ۔ کیوں نہیں .... ضرور۔ مگر ہمارے شاہد صاحب تو خود ہی راشٹر بھاشا کے
بڑے پرچارک ہیں اور بڑی اچھی بھاشا لکھتے ہیں۔ (چائے آتی ہے) لیجئے چائے
پیجئے۔ (پیالی رکھنے کی آواز) اچھا چترویدی جی کام تو ہوگا ہی۔ اب اور
بتائیے کیا حال ہیں؟

چترویدی ۔ سب ٹھیک ہی ہے۔ آپ کا بچہ اب کیسا ہے؟ سنا تھا، بیمار ہو گیا تھا
..... میرا لڑکا اَبھی شیک اُس کے ساتھ ہی پڑھتا تھا۔

چیئرمین ۔ ہاں ہاں مجھے یاد ہے۔ مگر آپ نے اَبھی شیک کو اِس اسکول سے کیوں
ہٹا لیا؟

چترویدی ۔ بات یوں ہے کہ مجھے پرنسپل نے بتایا تھا کہ اگلے ورش سے اُن کے
اسکول میں انگلش میڈیم کو ختم کیا جا رہا ہے۔ اِسی لئے میں نے اُسے ماڈرن
اسکول میں دے دیا ہے۔ وہاں انگلش میڈیم ہے۔

چیئرمین ۔ اچھا، اچھا۔ ٹھیک ہی کہا ہے آپ نے۔ انگلش میڈیم کے بغیر تو اسکول
بے کار ہے۔ اچھا شاہد صاحب آپ چترویدی صاحب کو ذرا فائلیں دکھلا دیں۔

شاہد ۔ جی ہاں، ابھی منگواتا ہوں (اُٹھ کر چلا جاتا ہے)۔ (دروازہ کھلنے اور
بند ہونے کی آواز)

(شاہد کا کمرہ ۔ گھنٹی بجاتا ہے)

چپراسی ۔ جی حضور!

شاہد ۔ ذرا آفس سپرنٹنڈنٹ کو جلدی سے بلاؤ ۔

چپراسی ۔ اچھا صاحب ۔ (چلا جاتا ہے)

شاہد ۔ (خود کلامی) راشٹر بھاشا وبھاگ کے پردھان، پرچارک اور اپنے بچے کو انگلش میڈیم سے ہی پڑھانا چاہتے ہیں ...... واہ ری دنیا ۔ راشٹر بھاشا دوسرے پڑھیں اور ہم انگریزی ۔ Double Standard ۔ مگر ٹھیک ہی ہے شاہد میاں ..... دنیا اسی کا نام ہے .... انسان نہ جانے کتنی شخصیتوں میں جی رہا ہے ..... چہرے کے لئے کئی نقاب رکھنے پڑتے ہیں ۔

آفس سپرنٹنڈنٹ ۔ گڈ مارننگ سر ۔ مجھے بلایا تھا آپ نے ؟

شاہد ۔ شرما جی ۔ ہاں! چیئرمین صاحب کے کمرہ میں راشٹریہ بھاشا وبھاگ کے پردھان چترویدی جی آئے ہوئے ہیں نرکچھن کے لئے ۔ انھیں فائلیں دکھانی ہیں ۔ میں آپ سے کہتے کہتے تھک گیا کہ آفس کا کام ہندی میں ہونا چاہئے ۔ مگر آپ لوگ مانتے ہی نہیں ۔ اب کون سی فائلیں دکھائیں گے آپ؟ سخت الجھن ہے ۔

شرما جی ۔ حضور آپ بالکل فکر نہ کریں ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ۔

شاہد ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا؟ کیا علاء الدین کا چراغ ہے آپ کے پاس؟

شرما جی ۔ نہیں سر ۔ میں نے تیس چالیس فائلیں پہلے ہی سے الگ رکھی ہوئی ہیں ایسے موقعوں کے لئے ۔ آپ دیکھ لیجئے گا ۔ چترویدی جی کو بھی مطمئن کر دوں گا ۔

شاہد ۔ خدا ہی بچائے آپ لوگوں سے .... تو کیا وہ ساری فائلیں .... ؟

شرما جی ۔ وہ ایسی فائلیں ہیں جن میں انگریزی کا ایک شبد بھی نہیں ہے ۔ حضور

۲۵ سال نوکری کی ہے - یہ بال دھوپ میں تھوڑے ہی سفید کئے ہیں -
آپ فکر نہ کریں - میں سب ٹھیک کر لوں گا -

شاھد - مان گئے آپ کو - اب آپ ہی فائل لے کر چترویدی صاحب کو دکھائیے -
مجھ سے اتنا سفید جھوٹ بولا نہیں جاتا -

شرما جی - حضور اس میں جھوٹ کی کوئی بات نہیں - میں نے خود چترویدی صاحب کو انگریزی میں خط لکھتے، بات کرتے سنا ہے - بات یہ ہے سر کہ وہ بھی سب کچھ سمجھتے ہیں اور ہم بھی - مگر دفتری کام تو اسی طرح چلتے ہیں - (ہنستا ہے)
حضور سچ بولنے سے کہاں گزر ہے -

شاھد - ہاں شرما جی! ٹھیک کہتے ہیں - آپ تو چہرے پر نقاب لگا لیں گے -
ذرا ایک میرے لئے بھی لا دیجئے گا -

شرما جی - جی سر؟

شاھد - کچھ بھی نہیں -

(وقفہ)

تیسرا سین

(شاہد کا گھر)

[کھٹ کھٹ کی آواز]

سلطانہ - کون ہے ....؟

شاھد - یعنی اب میری دستک بھی تم نہیں پہچانتی ہو -

سلطانہ - (دروازہ کھولتے ہوئے) میں کوئی ولی اللہ تھوڑی ہی ہوں - مگر اتنی دیر کیوں ہو گئی؟ ایک گھنٹہ سے میں بالکونی میں کھڑی راہ دیکھ رہی تھی -

شاھد - ارے بھائی وہ ماسٹر بھاشا وبھاگ کے پردھان رنگھبن کے لئے آ گئے تھے۔

سلطانہ - یہ کون سی مخلوق ہوتی ہے؟

شاھد - ارے نہیں ڈیئر۔ میں تو مذاق سے کہہ رہا تھا۔ میں تو جانتا ہوں کہ تم میرا کس طرح انتظار کرتی ہو اور اسی لئے تو ہو جائے تو خود کو مجرم سا محسوس کرنے لگتا ہوں، سچ کہتا ہوں سلطانہ دس سال شادی کو ہو گئے مگر آج بھی تمہارے پاس آنے کی تڑپ اتنی ہی شدید ہوتی ہے۔

سلطانہ - اجی چھوڑیئے لگاوٹ کی باتوں کو۔ اب میرے لئے آپ کے پاس وقت کہاں ہے؟ کچھ آفس، کچھ لائنس کلب اور بچا کھچا وقت بچوں کے لئے۔ میں تو مدِّ فاضل ہو کر رہ گئی ہوں۔

شاھد - سچ ...... ؟ مدِّ فاضل ؟ ــــ بہت خوب۔ ایک جاں نثار سید کروں ...... تو سارا مدِّ فاضل نکل جائے گا ــــ (ہنستا ہے) پگلی! (وقفہ) ہاں یاد آیا! اشرف کا فون آیا تھا، وہ اس وقت آنے والے ہیں۔ حمایت اور ناظم بھی آئیں گے۔ ذرا چائے کا انتظام کر دینا۔

سلطانہ - ہو گئی چھٹی! اشرف صاحب آ رہے تو دو چار غزلیں پلا ہی دیں گے۔ طلعت بھی آ رہی ہیں کیا؟ وہ آ جاتیں تو میری بھی کمپنی ہو جاتی۔ آپ کی چنڈال چوکڑی جمے گی تو میں تنہا کمرے میں بور ہی ہو جاؤں گی۔

(دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز)

آواز ــــ شاہد صاحب تشریف رکھتے ہیں کیا؟

سلطانہ ــــ آ گئی شامت۔

شاھد ــــ کون صاحب؟

آواز ــــ میں ہوں حقیر، فقیر، سراپا تقصیر اشرف۔

شاھد ــــ (آہستہ سے) آ گئے اپنی شاعری سے بور کرنے کو۔ (زور سے) آیئے، آیئے۔

چشمِ ما روشن دلِ ما شاد۔ (دروازہ کھولنے کی آواز) زہے نصیب کہ غریب خانے کو شرفِ قدمبوسی حاصل ہوا۔

اشرف ۔ یار کیوں باتیں بناتے ہو۔ درحقیقت تم لوگ مجھے گالیاں دے رہے ہوگے کہ میں نازل ہوگیا۔

شاھد و سلطانہ ۔ ارے نہیں نہیں! کیسی باتیں کرتے ہیں۔

اشرف ۔ بھائی صاحب! میں خوب جانتا ہوں اِس زمانے کو۔ ملاقات ہو تو چہرے پر خوشی کی نقاب لگا کر ایسے ملتے ہیں جیسے دنیا کی مسرت مل گئی اور جاتے ہی گالیاں دینے لگتے ہیں کہ کم بخت نے بہت بور کیا۔

(سب ہنستے ہیں۔)

شاھد ۔ نہیں یار، ایسی بات نہیں ۔ مگر تم شاعروں سے کون اُلجھے۔

اشرف ۔ ارے نہیں، اس میں بُرا ماننے کی بات نہیں۔ یہی اس دور کا تقاضہ بھی ہے۔ اور رہے ہم جیسے شاعر تو میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں اُن سے محفوظ رکھے۔ میں خود بھی بے حد گھٹیا آدمی ہوں۔ میری باتوں سے یہ نہ سمجھ لینا کہ میں بڑا صاف گو اور شریف آدمی ہوں۔ ابھی باہر جا کر ایک دوسری نقاب چہرہ پر لگا لوں گا۔ کئی نقابیں جیب میں لئے پھرتا ہوں۔

شاھد ۔ یار، تمہاری اِنہی باتوں پر تو پیار آتا ہے۔ بولو، کیا پیوگے؟ چائے، کافی یا کچھ اور؟

اشرف ۔ "کچھ اور" کی وضاحت کرو۔

شاھد ۔ ٹھنڈا پانی۔ (ہنستے ہوئے) اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہاں، دودھ بھی ہے۔

شرف ۔ نہ تو تم پیو، میں چائے پی لوں گا۔ یہ حمایت اور ناظم کہاں رہ گئے۔ اب تک آجاتا تھا۔

شاھد ۔ آتے ہی ہوں گے۔

(حمایت، ناظم اور رعنا آتے ہیں۔)

ناظم ۔ (ذرا بھاری آواز میں) سلاما لیکم شاہد بھائی ۔

شاہد ۔ کہاں رہ گئے تھے ..... اتنی دیر کیوں ہوگئی .... ؟

ناظم ۔ ہم بولے، راستہ میں پان لگوالوں، پھر ذرا طارخ بھائی کو خیمہ دینا تھا۔

شاہد ۔ "خیمہ"؟..... یہ خیمے کی کیا ضرورت آپڑی ؟ اور تم موٹر سائیکل پہ خیمہ کس طرح لائے ؟

ناظم ۔ آپ سمجھے نہیں! گوشت کا خیمہ دینے گئے تھے۔

اشرف ۔ یار ! ان حیدر آباد والوں کی زبان تم نہیں جانتے۔ یہ "ق" کو "خ" بولتے ہیں ۔ یہ گوشت کا قیمہ دینے گیا ہوگا ۔ اُسے خیمہ کہہ رہا ہے۔ اللہ بچائے اس زبان سے ۔ تقریب کو تخریب میں بدل دیتے ہیں۔

(سب لوگ ہنستے ہیں۔)

سلطانہ ۔ کیوں ناظم بھائی ! عطیہ کو نہیں لائے ؟

ناظم ۔ بھابی ! ہم اُن کو کہے مگر وہ بولے، ہم نہیں جاتے، بچے تنگ کرتے ہیں ۔

اشرف ۔ یہ حمایت صاحب بہت چُپ چُپ ہیں ؟

شاہد ۔ ہوگئی ہوگی .... کیوں حمایت بھائی ؟

حمایت ۔ (ہنستے ہوئے) ارے نہیں، رعنا کو تیار ہونے میں ذرا دیر لگ گئی ۔

رعنا ۔ بالکل غلط، خود ٹائی باندھنے میں آدھ گھنٹے ضائع کر دیئے اور مجھے بدنام کیا جارہا ہے ۔

شاہد ۔ تیار ہوتے ہیں، یا تیار کرتے ہیں ..... اچھا چلئے آپ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھئے ..... میں ابھی حاضر ہوتا ہوں ..... یہ لیجیئے تین سو ایک (۳۰۱) بھی آگئے ۔ آیئے آیئے رحمان صاحب ۔

(سبھی لوگ آیئے آیئے کہتے ہیں ۔)

رعنا – آداب عرض ہے رحمان صاحب ..... بڑے بن ٹھن کے نکلے ہیں۔

حمایت – کیا حال ہیں رحمان صاحب ؟

اشرف – سب ٹھیک ہے بس ذرا رشیدہ سے جھگڑا ہو گیا ہے۔

رحمان – (بگڑ کر) نہیں تو۔ یہ کیا بے بنیاد بات کر رہے ہو۔ (سب لوگ ہنسنے لگتے ہیں)

اشرف – یار تم تو ایسے چونک گئے جیسے میں نے کوئی گالی دے دی ہو۔ کون سا ایسا شریف آدمی ہے جس کا بیوی سے جھگڑا نہیں ہوتا۔

حمایت – بلکہ یوں کہئے کہ کون سا ایسا شریف آدمی ہے جو بیوی کی ڈانٹ نہیں کھاتا ہے۔

شاھد – دیکھئے، یہ ذاتی تجربہ بول رہا ہے۔ (سب لوگ ہنسنے لگتے ہیں۔)

رعنا – تو کیا میں ڈانٹتی رہتی ہوں حمایت صاحب کو ؟

سلطانہ – اچھا مذاق چھوڑیئے۔ناشتہ کیجئے۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

اشرف – ہاں بھائی کام کی بات پہلے (چائے کی پیالیوں کی آواز)

حمایت – ہاں بھائی۔ بھابی کے ہاتھ کی چائے خوب ہوتی ہے۔ لطف آجاتا ہے۔ کیا خیال ہے رحمان صاحب؟

رحمان – بالکل ٹھیک۔

اشرف – بالکل ٹھیک کیا ؟ اپنا خیال کہئے !

رحمان – (ذرا جھنجھلا کر) یار ! تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو ؟

اشرف – بالکل غلط۔ تمہارے پیچھے تو رشیدہ پڑی ہوئی ہیں۔ میں نعوذ باللہ کیوں پڑنے لگا۔

شاھد – واہ واہ اگر نعوذ باللہ کی جگہ تم "لوجی" کہتے تو زیادہ لطف آتا۔

حمایت – اب آپ کی زبان تو یہ بولنے سے رہے۔

(سب لوگ ہنستے ہیں۔)

شاھد – شاباش۔ حمایت کم بولتے ہیں مگر کبھی کبھی جملے اچھے پھینکتے ہیں اور خاصکر

جب رعنا موجود ہوں۔

رعنا - دیکھئے شاہد بھائی۔ یہ دو دھاری تلوار مت چلایا کیجئے۔ مجھے کیوں گھسیٹ لیتے ہیں آپ!

حمایت - جی آداب عرض ہے۔

رحمان - اچھا بھائی - اب ذرا اشرف صاحب سے غزلیں سنی جائیں - بہت دن ہو گئے سُنے۔

شاہد - (چونک کر) میں خواب تو نہیں دیکھ رہا - یعنی کہ غزل - غزل سنیں گے اور آپ! یعنی کہ رحمان صاحب اور غزل — یا وحشتا - (سب ہنسنے لگتے ہیں۔)

رحمان - (کھسیا کر) تو کیا میں غزل نہیں سمجھ سکتا ...... آپ ہی نے ادب کا ٹھیکہ لے رکھا ہے - ارے ہم لوگ نہ رہیں تو تمہاری شاعری کی داد کون دے گا؟

شاہد - یہ رحمان ٹھیک کہہ رہے ہیں - ویسے اکثر جب رشیدہ کی شاعری شروع ہوتی ہے تو یہ داد نہیں دیتے۔ (سب لوگ ہنسنے لگتے ہیں۔)

ناظم - (بھاری آواز میں) ہاں اشرف بھائی - سنائیے غزل - وہی "آنچل نہ ملا" والی غزل۔

حمایت - "آنچل نہ ملا" یہ کب کا قصہ ہے اشرف بھائی ..... طلعت سنیں گی تو .....

شاہد - یار تم لوگ غزل سنو گے یا بس بحث ہی کرتے رہو گے - اشرف تم وہ غزل سناؤ جو تم نے حامد کے یہاں پچھلے مہینے دعوت میں سنائی تھی۔

اشرف - اُس دعوت کا مینو یاد ہے تم کو؟ مرغ مسلّم، مچھلی کے کباب اور بریانی - تمہارے سُوکھے ناشتے اور ایک پیالی چائے پر ویسی غزلیں نہیں سنا سکتا..... سمجھے۔

شاہد - (ہنستے ہوئے) چلو اچھا ہوا، تمہاری غزلوں کی قیمت تو معلوم ہو گئی ..... اچھا کوئی گھٹیا سی ہی غزل سُناؤ۔

اشرف - اب ہوئی نہ بات - اچھا تو سُنو..... ایک نئی غزل سناتا ہوں۔

رعنا - اشرف بھائی کی غزل کے سلسلے میں گھٹیا کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی ؟

(سب ہنسنے لگتے ہیں۔)

حمایت - خدا کے واسطے جدید غزل مت سنانا۔ چائے کا بھی لطف جاتا رہے گا۔

(سب لوگ ہنستے ہیں۔)

اشرف - آپ مطمئن رہیئے..... آپ کی ذہانت کا علم مجھے ہے۔ ایسی ہی غزل سناؤں گا جو آپ کی سمجھ میں آ جائے۔ مطلع عرض ہے۔ (غزل شروع کرتا ہے۔)

حائل ہوں اگر راہ میں ٹھوکر ہی لگا دو

پانی پہ لکھا نام ہوں جب چاہو، مٹا دو

(آوازیں واہ .... واہ .... واہ کی۔)

میں موم نہیں ہوں کہ پگھل جاؤں تپش سے

یوں چاہو تو تم، سرد نگاہی سے جلا دو

(واہ .... واہ کی آوازیں۔)

ناظم - میرے پلّے کچھ بھی نہیں پڑا۔ یہ کیا جلنے جلانے کا قصہ لے بیٹھے۔ ارے کچھ جام و مینا، ساقی و سبو کی بات کرتے۔ (سب لوگ ہنسنے لگتے ہیں۔)

حمایت - ناظم میاں! عطیہ یہاں موجود نہیں ہیں، جی بھر کر جام و مینا کی بات کر لو۔

اشرف - یار! کیسے اچھے شعر کا خون کر دیا تم سب نے۔ ایسوں کے سامنے تو غزل سنانے کو جی نہیں چاہتا۔

شاہد - اشرف صاحب، زیادہ نہ بنیئے۔ شکر ادا کیجئے کہ ہم آپ کی غزل کو برداشت کر لیتے ہیں۔

رعنا - بہت خوب شاہد بھائی، میرے دل کی بات کہہ دی آپ نے۔

حمایت - شاہد تو ہمیشہ ہی آپ کے دل کی بات کہتے ہیں۔

رعنا - (بگڑ کر) کیا مطلب آپ کا.....

حمایت — ارے بھائی اِس میں بگڑنے کی کیا بات ہے ؟
رعنا — بگڑنے کی بات کیسے نہیں — آپ کی عادت ہی یہ ہے کہ جہاں میں بولوں گی آپ.....
شاہد — بھئی سیز فائر کرو، ورنہ ابھی مہابھارت شروع ہو جائے گا۔
اشرف — بڑا لطف آ رہا تھا۔ ہاں! رعنا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ حمایت کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔
سلطانہ — اشرف بھائی۔ آپ بی جمالو کا رول مت ادا کیجیے۔ رعنا تم چُپ رہو۔ چلو ہم سب دوسرے کمرے میں بیٹھتے ہیں۔ میں نے کچھ نئے Pattern منگائے ہیں، تمہیں دکھاؤں گی۔
رعنا — ہاں بھئی چلو۔ ان لوگوں کو ہماری Company پسند نہیں آتی۔
اشرف، شاہد — (ایک ساتھ) ارے بھائی، آپ سب کیوں خفا ہو گئیں۔ آج کی شام غارت ہوئی۔
حمایت — تمہاری تو شام ہی غارت ہوئی۔ میری تو رات بھی غارت ہو گئی۔
(سبھی لوگ ہنستے ہیں)

چوتھا سین

[شاہد کا گھر۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز]

سلطانہ — کون.....؟
شاہد — میں ہوں بھئی اور کون ہو گا۔ (کواڑ کھلنے کی آواز) تم دروازہ کھولنے میں اس قدر دیر کیوں کر دیتی ہو — سو گئی تھیں کیا.....؟ (جھلّائی آواز میں)
سلطانہ — خیر تو ہے — آتے ہی غصّہ دکھانا شروع کر دیا۔ آواز سنتے ہی تو آ رہی تھی، دیر

کب ہوئی ہے؟

شاہد — (جھلاّ کر) تو گویا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ بیسوں بار کُنڈی کھٹکھٹائی ہے تب تم جاگی ہو۔ مگر ہر بات سے انکار کرنا تو تمہاری عادت سی ہے۔

سُلطانہ — اور ہر بات کا بتنگڑ بنانا آپ کی عادت ہے۔

شاہد — میں پاگل ہوں نا؟

سلطانہ — میں یہ کب کہہ رہی ہوں۔ آفس میں باس سے جھگڑا کر کے تو نہیں آئے۔ اچھے بھلے گھر آئے اور جھگڑا شروع کر دیا۔ (اُکتائی ہوئی آواز میں) مردوں کی یہ حاکمانہ عادت کبھی نہیں جاتی۔

شاہد — اور عورتوں کی ضد — کچھ چائے واسے دو گی یا جھگڑا ہی کرتی رہو گی — میں تو اُکتا گیا ہوں اِس زندگی سے۔ بیل کی طرح کھٹتے رہو۔ آفس میں دماغ پچی کرتے رہو اور گھر آؤ تو وہاں بھی مکالمہ بازی سے واسطہ پڑتا ہے۔ جی چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ کر جنگل بھاگ جاؤں۔

سلطانہ — میں وہاں بھی پیچھا کروں گی۔ سمجھے۔

شاہد — میں جانتا ہوں۔ اِسی لئے تو نہیں بھاگتا۔

سلطانہ — اچھا چھوڑیئے اِس جھگڑے کو ناشتہ تیار ہے، پہلے کھا لیجئے۔ بڑی پرانی کہاوت ہے کہ مردوں کے دل تک پہنچنے کا راستہ اُن کے پیٹ سے ہو کر جاتا ہے۔ (ہنستی ہے۔)

شاہد — واقعی بے حد بھوک لگی ہے۔ میں تو اِس جھگڑے میں بھوک بھی بھول گیا تھا۔

سلطانہ — اگر جھگڑے میں لوگ بھوک کو بھول سکتے تو اناج کی پیداوار بڑھانے کی بجائے جھگڑے ہی بڑھائے جاتے اور غذائی مسئلہ حل ہو جاتا۔

شاہد — خدا کی قسم تم تو ہر وقت کترنی لئے زبان کاٹتی پھرتی ہو۔ کبھی سیریس بات نہیں کرو گی۔

سلطانہ ۔ لیکن کون سی ایسی بات ہو گئی ۔ کچھ بھوڑے بھی ۔ آخر کون سی پریشانی ہے کہ اس قدر چراغ پا ہو رہے ہیں آپ ؟

شاہد ۔ (جھلّا کر) تمہیں کب فکر ہے میری پریشانیوں کی ۔ ابّا جان کا خط آیا ہے کہ ایک ہزار روپیہ بھیج دو ، حویلی کی مرمّت اور سفیدی کروانی ہے ۔ عید قریب ہے ۔ (وقفہ) بوڑھے ہو گئے مگر کوئی احساس نہیں ۔ حویلی کی مرمّت کرانی ہے ، سفیدی کرانی ہے ، عید قریب ہے ۔ کبھی یہ بھی تو سوچا ہوتا کہ بیٹے کے پاس اس فضول خرچی کے لئے ہزار روپے کہاں سے آئیں گے ۔ میں کیا نوٹ چھاپتا ہوں ۔ (جھلّائی ہوئی آواز میں) مہینے کی بیس[۲۰] تاریخ کے بعد کڑکی شروع ہو جاتی ہے اور انھیں حویلی کی مرمت کی فکر ہے ۔ سفیدی کرانے کی فکر ہے ۔ ہونہہ ۔

سلطانہ ۔ لیکن حویلی بھی تو آپ ہی کی ہے ۔

شاہد ۔ نہیں چاہیئے مجھے حویلی ۔ اچھا ہوتا کہ زمینداری کے ساتھ وہ حویلی بھی چلی جاتی ۔ یہ سفید ہاتھی اپنے بس کا نہیں ۔ گاؤں کی اس حویلی میں رہنا کیسے ہے ۔ میرا تو دم گھٹنے لگتا ہے وہاں ۔ اور پھر میرے پاس پیسے کہاں ہیں ۔ تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میرے پاس لاکھ دو لاکھ کا بینک بیلنس ہے ۔

سلطانہ ۔ میں یہ کب کہہ رہی ہوں ۔ مگر ابّا جان نے مانگا ہے تو کچھ نہ کچھ انتظام تو کرنا ہی ہوگا ۔

شاہد ۔ (جھلّا کر) آہا..... آہا..... انتظام تو کرنا ہی ہوگا ۔ لکھ دو اپنے ابّا کو بھیج دیں گے ۔

سلطانہ ۔ میں کیوں کہنے لگی ۔ آپ کو چاہیئے تو آپ لکھ دیجئے ۔ ویسے ان کے پاس بھی کب ہوں گے ۔ وہ تو آپ سے بھی زیادہ قلاش ہیں ۔ اور اگر ہوتے بھی تو کیا آپ تو اسے گوارا کر لیتے ۔ طعنہ دینے میں عورتوں کو مات کر دیتے ہیں آپ ۔ سنجیدگی سے سوچنے کی بجائے بیٹھے خون جلا رہے ہیں ۔

شاہد ۔ کیا سوچوں ؟ ابّا جان سمجھتے ہیں کہ میرا بیٹا کلاس وَن کا افسر ہے ۔ ہزار روپیہ

بھونا تو اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور یہاں عالم یہ ہے کہ سفید پوشی نباہنی مشکل ہے۔ زمینداری تھی تو گھوڑے کو جلیبی کھلاتے تھے اور آج ہم لوگ جلیبی کھانے کو ترستے ہیں۔ (آواز میں درد بھر کر) کیا تم نہیں جانتی ہو کہ مجھے کیا تنخواہ ملتی ہے۔ بچوں کی فیس ۱۰۰ روپے، دودھ کے ۱۵۰ روپے، میٹھ والے کے ۱۲۵ روپے، بجلی کے ۶۰ روپے، اسکوٹر کا ۱۰۰ روپیہ ماہانہ خرچ .... اور....

سُلطانہ — (اُکتا کر) یا اللہ! آپ تو پورا حساب جوڑنے لگے۔ میں کب کہتی ہوں کہ ہمارے پاس پیسے بچتے ہیں۔ میں تو خود کچن کا انتظام سنبھالنے میں رو دیتی ہوں۔ اور اس پر یہ مہمان داری۔ مگر آبا کی بات تو رکھنی ہی ہوگی۔ حویلی کی مرمت واقعی ضروری ہے۔ وہ آپ کا آبائی مکان ہے۔ اس سے کیا محبت نہیں ہے آپ کو؟ آپ اُسے برباد ہوتے دیکھ سکیں گے؟

شاھد — (بھرّائی آواز میں) ہاں سُلطانہ! میں اُسے برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ اُس کے در و دیوار پر ہمارے بچپن کی یادیں نقش ہیں۔ اُس کے گوشے گوشے میں میری آواز اب بھی گونجتی ہوگی اور اس کے آنگن میں رکھا امّی مرحومہ کا تخت آج بھی مجھے اتنا ہی عزیز ہے۔ مگر.... مگر یہ سارے جذبات، یہ سارے احساسات حقیقت سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ آبّا نے لکھا ہے کہ فوری مرمّت نہ کی گئی تو آئندہ برسات میں حویلی گر جائے گی۔ مگر میں شاید اسے نہیں روک سکوں گا۔ نہیں روک سکوں گا۔ (آواز تیز ہو جاتی ہے۔)

سلطانہ — اگر پاس میں نہیں ہیں تو حامد صاحب سے قرض ہی لے لیجئے۔ تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کر دیا جائے گا۔

شاھد — حامد سے قرض لے لوں؟ کمال ہے تمہارا بھی۔ وہ یقیناً میرا بہترین دوست ہے۔ اور ہمیشہ میرے بُرے وقت میں کام آتا ہے۔ مگر مجھ میں بھی تو غیرت ہے..... پچھلے سال آبّا کی بیماری کے موقع پر میں نے اس سے دو ہزار روپے لئے تھے۔ پھر تمہارے

کہنے پر...... ریفریجریٹر خریدنے کے لئے بھی دو ہزار لئے تھے - چار ہزار آج تک باقی ہیں - وہ تو ادا نہیں کر سکا - اب کس منہ سے مزید مانگوں ...... نہیں بھائی مجھ سے نہیں ہوگا - میں ابا کو لکھ دوں گا کہ حویلی کو گر جانے دیجئے —— پرانی حویلی کب تک ساتھ دے گی - اچھا ہے اُس کے ساتھ ماضی کی تمام یادیں بھی دفن ہو جائیں گی -

سُلطانہ - ماضی کو اس طرح دفن نہیں کیا جا سکتا شاہد صاحب - اس سے تو ماضی کی خلش اور بڑھ جائے گی - اور خدا نخواستہ اگر حویلی گر گئی تو ابا جان یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکیں گے - ویسے ہی اِس عمر میں اپنی شان و شوکت ختم ہونے کے بعد وہ ٹوٹ کر رہ گئے ہیں - آپ ایسا کیجئے، حامد صاحب سے بات کر لیجئے - میں ہر ماہ کسی طرح پچاس ساٹھ روپے کچن سے بچا کر ادا کر دوں گی - وہ بے حد مخلص اور سچے دوست ہیں -

شاہد - اِس میں کیا شک ہے - میرے بچپن کا واحد دوست ہے وہ اور کس قدر محبت کرتا ہے - اگر مانگوں گا تو ضرور دے دیگا اور کبھی تقاضہ بھی نہیں کرے گا - مگر تم یہ جانتی ہو سلطانہ کہ وہ کیوں اتنا مخلص ہے ؟

سلطانہ - کیوں .... ؟

شاہد - صرف اِس لئے کہ وہ ہم لوگوں کی طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ماڈرن نہیں ہے - اسکول کی تعلیم کے بعد ہی اُس نے بزنس سنبھال لیا تھا اور ابھی تک بے چارہ کُرتے پاجامے ہی میں خوش رہتا ہے جبکہ لاکھوں روپے کا بینک بیلنس ہے - وہ ہم لوگوں کی طرح مہذب اور ماڈرن نہیں ہے نا - اسی لئے اسے ہپوکریسی (HyPocracy) نہیں آئی ..... پرانی قدریں اب بھی اسے کُرتے پاجامے کی طرح ہی عزیز ہیں — اور ہم نے اُسے اُتار کر بیل باٹم اور ٹائی لگا لی ہے - (لمبی سانس لیتا ہے) مگر کتنا تضاد ہے سلطانہ - وہی پرانی قدریں حامد کو ہمارے لئے مخلص دوست بناتی ہیں اور

اَبّا جان کی یہی پرانی قدریں ہمارے لئے وبالِ جان بنی ہوئی ہیں۔

سلطانہ — ایسا نہ کہئے، آپ آج جو کچھ بھی ہیں، اَبّا جان کی ہی بدولت ہیں۔ آپ خود ہی کہتے تھے کہ آپ کی تعلیم پر انھوں نے بے دریغ خرچ کیا ہے اور کتنے ناز و نعمت سے آپ کی پرورش کی ہے۔ آپ کے لئے کیا نہیں کیا انھوں نے؟

شاہد — (ہلکی آواز میں) ہاں انھوں نے میرے لئے کیا نہیں کیا۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ میری پرورش تو شاہزادوں کی طرح ہوئی ہے۔ اَبّا جان ..... امّی جان، حویلی ......

(فلیش بیک ..... میوزک۔)

اَبّا جان — (کڑک دار آواز میں) شرفو، ارے او شرفو۔ کہاں مر گیا۔

شرفو — آیا سرکار۔ (دور سے)

اَبّا جان — کہاں مر جاتا ہے تو ..... کچھ خبر بھی ہے۔ گاڑی کا وقت ہو گیا۔ ابھی تک ڈرائیور موٹر لے کر نہیں گیا، چھوٹے بابو اسٹیشن سے پیدل ہی آ بیٹھے گیا؟ — نمک حرام ہیں سب .....

شرفو — جی سرکار۔

اَبّا جان — جی سرکار کیا — جلدی سے موٹر اسٹیشن بھجوا دو اور چھوٹے بابو کے کمرہ کو ٹھیک کر دو۔ اور ہاں! غسل خانہ میں گرم پانی رکھوا دو۔ ایک سال کے بعد میرا شہزادہ کالج سے آ رہا ہے اور تم کمبختوں کو کوئی فکر ہی نہیں۔ جلدی کرو۔

شرفو — سرکار۔ چھوٹے بابو کو ہم ہی نے گود میں پالا ہے۔ بارے کھوسی کے تو ہماری بتیسی نکلت ہے سرکار۔ بھلا ہم کوئی کمی ہونے دیں گے۔ سب انتجام ٹھیک ہے سرکار۔ کھانساماں کو بول دیا ہے کہ چھوٹے صاحب ولایتی بیگن کا بھرتہ پسند کرتے ہیں۔ وہ ضرور تیار کرے۔

اَبّا جان — ابے شرفو! تو پاگل کا پاگل رہا۔ ایک سال کے بعد چھوٹے بابو کو کھلانے کو بات

بھی کی تو بیگن کا بھرتہ ۔۔ ارے کمبخت! مرغ، مچھلی، گوشت کی بات کرتا۔

شرفو۔ مرغ مچھلی کی کب کمی ہے سرکار ۔ اوپر والے کا دیا سب کچھ ہے آپ کو۔ بس
ایک بات کی کسر ہے۔۔۔۔ چھوٹے بابو کی دلہنیا آجائے تو حویلی اور جگمگا اُٹھے
۔۔۔۔ اور مالکن کا بھی دل لگے گا۔۔ اکیلے بڑا گھبراوت ہیں۔

ابّا جان ۔۔ اچھا اچھا ۔۔ وہ بھی ہو جائے گا۔ ذرا پڑھائی تو مکمل ہو جائے۔ (موٹر کے
ہارن کی آواز) لو جلدی کرو۔ چھوٹے آ گیا۔ (آگے بڑھتا ہے)

شرفو۔ (خوشی سے چلّاتا ہے) چھوٹے بابو آ گئے۔۔۔۔ چھوٹے بابو ۔۔ (شاہد آتا ہے)

شاھد ۔۔ کیسے ہو شرفو کاکا۔۔۔۔ سلام۔

شرفو۔ جُگ جُگ جیو چھوٹے بابو۔ ہم تو ٹھیک ہی ہیں ۔۔۔۔ مگر تم دُبلے کاہے ہو گئے بٹیا؟

شاھد ۔ کاکا کی بات ۔۔۔۔ میں تو موٹا ہو گیا ہوں کاکا۔

ابّا جان ۔ شرفو ٹھیک کہتا ہے شاہد۔۔۔۔ تم دُبلے ہو گئے ہو۔

شاھد ۔ (گھبرا کر) ابّا جان! آداب۔

ابّا جان ۔ جیتے رہو۔۔۔۔ خوش رہو بیٹے۔ سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟

شاھد ۔ نہیں تو۔۔۔۔ بھلا فرسٹ کلاس میں تکلیف کیسی!

ابّا جان ۔ اور نہیں تو کیا۔۔۔۔ میرا بیٹا تھرڈ کلاس میں سفر کرے گا؟ یہ ساری زمینداری
یہ دولت تمہارے ہی لئے تو ہے۔

شاھد ۔ جی ابّا جان۔

ابّا جان ۔ اچھا پہلے اندر جاؤ۔۔۔۔ تمہاری امّی بے چین ہوں گی۔

(شاہد اندر چلا جاتا ہے۔)

شاھد ۔ آداب امّی!

امّی ۔۔ ارے میرا لال۔۔۔۔ جُگ جُگ جئے میرا شہزادہ۔۔۔۔ میری عمر تمہیں لگ جائے
۔۔۔۔ اتنی دیر کیوں ہوئی؟۔۔۔۔ گاڑی لیٹ تھی کیا بیٹا؟

شاہد۔ (مسکراتے ہوئے) لیجئے امّی۔ گاڑی تو دس منٹ قبل از وقت آ گئی ۔۔۔
آپ کو انتظار کرنا پڑا اس لئے آپ سمجھ رہی ہیں کہ دیر ہو گئی۔

امّی ۔۔ (ہنستے ہوئے) جب بال بچے ہوں گے نا، تب تجھے اندازہ ہو گا۔ ساری رات
آنکھوں میں گزاری ہے کہ میرا لال گھر سے دور ریل میں تنہا سفر کر رہا ہو گا۔ خدا
اسے اپنی امان میں ساتھ خیریت گھر لائے ۔۔۔ اور تو ہنس رہا ہے!

شاہد۔ (ہنستے ہوئے) لیکن امّی، ٹرین میں تنہا میں کب تھا! اس میں تو سینکڑوں
مسافر تھے۔ (ہنستا ہے) میں پورے اٹھارہ سال کا ہو گیا ۔۔ اور اب تک آپ مجھے
بچّہ ہی سمجھتی ہیں۔

امّی ۔۔ تو اسّی سال کا بھی ہو جائے گا تو میری نگاہ میں بچّہ ہی رہے گا۔ مگر تو آخر دبلا
کیوں ہو گیا ہے اتنا؟....

شاہد ۔۔ حد ہو گئی ۔۔ سفر تو کا کا، ابّا، امّی سب کی نگاہوں میں میں دبلا ہو گیا ہوں،
جبکہ میرا وزن پورے دس پاونڈ بڑھ گیا ہے۔

امّی ۔۔ جھوٹ نہ بولو۔ گال تو دھنس گئے ہیں، رنگ پھیکا پڑ رہا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ
ہوسٹل میں کھانا اچھا نہیں ملتا ہو گا۔ گھر میں کوئی کھانے والا نہیں اور میرا لال
ہوسٹل کی موٹی چپاتیاں کھاتا ہے۔ دبلا تو ہونا ہی ہے۔

شاہد۔ (ہنستا ہے) نہیں امّی آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔

امّی ۔ غلط فہمی کیا ہو گی۔ تم اور روپے منگا لیا کرو اور کھانے کا اچھا انتظام کر لو۔

ابّا جان ۔۔ (ہنستے ہوئے) ماں بیٹے میں کیا سازش ہو رہی ہے بھئی۔ ذرا ہم بھی تو سنیں۔

امّی ۔ سازش کیسی.... ہوسٹل میں اچھا کھانا نہیں ملتا اور آپ کو روپیہ اتنا عزیز ہے
کہ الگ سے اس کا انتظام نہیں کروا سکتے۔

ابّا جان ۔۔ (ہنستے ہوئے) روپیہ، اور مجھے عزیز.... یہ ساری دولت ہے کس کے لئے؟
کہو تو.... دوسرا ہوسٹل ہی بنوا دیں۔ لیکن شاید بیٹا! انہیں تکلیف ہے تو تم

ہزار دو ہزار روپیہ لے جاؤ..... اپنا نظم الگ کر لو۔

شاھد۔ نہیں ابّا جان! کوئی تکلیف نہیں۔ امّاں کو تو خواہ مخواہ شک ہو گیا ہے۔

شرفو۔ چھوٹے بابو! پانی تیار ہے۔ جلدی سے نہا لیجئے۔

امّی -- دیکھ رہے ہیں، شرفو آج کتنا خوش ہے۔

ابّا جان ۔ کیوں نہیں ہوگا۔ اُس نے چھوٹے کو بیٹے کی طرح پالا ہے اور دوسرا کون ہے اُس کا؟ (شاہد کی طرف مخاطب ہو کر) شاہد بیٹا! تمہیں نیا حویلی کا رنگ اور لان پسند آیا؟

شاھد۔ ہاں ابّا۔ کس قدر خوبصورت لگ رہی ہے حویلی۔ کافی روپے خرچ کر دیئے ہیں آپ نے۔

ابّا جان ۔ ابھی تم نے اپنا کمرہ تو دیکھا ہی نہیں۔ میں نے اُسے کیسے آراستہ کیا ہے۔ پورے دو ہزار خرچ کئے ہیں تمہارے کمرے پر۔ تم دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے۔

(فلیش بیک ختم...... میوزک)

شاھد ۔ (خود کلامی) پورے دو ہزار خرچ کئے ہیں تمہارے کمرے پر...... پورے دو ہزار...... امّی کی محبت...... ابّا کا پیار...... شرفو کا کا......... شاندار حویلی ۔ میرا اسپیشل کمرہ...... نہیں نہیں...... حویلی کو گرنے سے بچانا ہوگا...... بچانا ہی ہوگا......... کھنڈر...... نہیں...... ہرگز نہیں۔

سلطانہ ۔ ارے! آپ کو کیا ہو گیا ہے....... آپ ہی آپ کیا بول رہے ہیں؟

شاھد ۔ (چونک کر) ایں..... ہاں..... ک..... کچھ نہیں..... کچھ نہیں تو۔

سلطانہ ۔ آپ کچھ بول رہے تھے۔۔

شاھد ۔ (گمبھیر آواز میں) حویلی کو بچانا ہوگا سُلطانہ....... بچانا ہی ہوگا۔ میں

حامد کے یہاں جاتا ہوں ...... ایک ہزار روپیہ لے کر ابّا کو بھیجنا ہے - حویلی کو بچانا ہے ......

پانچواں سین

[شاہد کا گھر - شاہد گھر میں بیٹھا ہے کہ اشرف داخل ہوتا ہے]

شاہد - ہیلو اشرف - آؤ ، آؤ - بڑے اچھے موقع سے آئے - حمایت اور ناظم پہلے ہی سے موجود ہیں - آج رمی کی بازی جم جائے گی ...... مزہ آئے گا -

(اشرف کمرہ میں آتا ہے -)

حمایت و ناظم - تسلیم ہے -

اشرف - تسلیم ہے - بھئی مزہ آ جائے گا - آج تو چوکڑی جم جائے گی - (ہنستا ہے)

حمایت - بھئی مزا تو پرسوں آیا تھا حامد کے یہاں - کیا پُر تکلف دعوت کی تھی خدا کی قسم لطف آ گیا -

ناظم - بڑا پیارا آدمی ہے حامد بھی - واقعی لطف آ گیا -

شاہد - ارے کون سی یہ نئی بات ہو گئی - حامد تو ہمیشہ ہی ہم لوگوں کو ایسی دعوتیں کھلاتا ہے - ایسا مخلص دوست مشکل سے ہی مل پاتا ہے -

اشرف - واقعی بات تو ٹھیک ہے - اتنا مخلص اور نیک آدمی ہے حامد - دوستوں کا دوست ہے - اُس نے میری بھی بہت مدد کی ہے -

حمایت - سچ پوچھو تو سب دوستوں کے کام آتا ہے -

ناظم - مگر دوستوں پر پیسہ بے حد لٹاتا ہے -

اشرف - دوستی نبھانے کو تم لٹانا کہتے ہو .... کمال ہے - دوستوں کے کام ہی آنا

تو دوستی کی پہچان ہے۔ ہم لوگ کبھی تو اُس پہ جان دیتے ہیں۔ محبت یکطرفہ
تھوڑے ہی ہوتی ہے۔

شاھد۔ بھئی۔ یہ حامد پہ بحث کیوں شروع ہو گئی۔ وہ ہمارا جگری دوست ہے بچپن کا
اور بے حد اچھا آدمی ہے۔ مگر یہ رمی کی بازی کیوں رک گئی ہے!

اشرف۔ ارے ہم تو حامد کی دعوت کا تذکرہ اس لئے کر رہے تھے کہ شاید تمہیں بھی غیرت
آ سکے۔

شاھد۔ بہت خوب۔ یعنی غیرت اور آپ۔ (وقفہ) سلطانہ بہت اچھے موڈ میں
نہیں ہیں — چائے کی پیالی مل جائے تو شکر ادا کرنا۔ زیادہ فون فان کی
تو ڈرائنگ روم میں ہانڈی آ جائے گی۔ سمجھے...... چلو تاش کی پتی بانٹو.....
وہی پیٹ کی فکر ہر لمحہ لئے پھرتے ہو۔

حمایت۔ پیٹ؟ کیسا پیٹ.... کس کا پیٹ؟

شاھد۔ (ہنستے ہوئے) پیٹ نہیں بھئی، پیٹ کی فکر۔ مگر آپ تو توند کی فکر کیجئے۔
(سبھی ہنستے ہیں۔)

(دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز۔)

شاھد۔ کون صاحب! (آہستہ سے) آ گیا کوئی کباب میں ہڈی۔

آنیوالا۔ میں ہوں شاہد صاحب، شرما۔

شاھد۔ (آہستہ سے) آ گئی شامت بور کرنے کو۔ (زور سے) اچھا، اچھا، آ رہا ہوں
شرما صاحب (دروازہ کھولنے کی آواز) آئیے آئیے شرما صاحب! بڑے
موقع سے آئے ہیں۔ بڑا لطف آئے گا۔

شرما۔ (اندر آتا ہے) میں بُری خبر لایا ہوں۔

شاھد۔ (چونک کر) کیا بات ہے؟

شرما۔ بیٹھ جائیے بتاتا ہوں۔ آپ کا فون شاید گڑبڑ ہے۔ میرے فلیٹ میں

حامد صاحب کے گھر سے فون آیا تھا۔

اشرف۔ حامد کے گھر سے! ۔ کیوں ..... ؟ بلایا ہے ہم لوگوں کو۔

شرما۔ (رنجیدہ آواز میں) مجھے افسوس ہے کہ بے حد بُری خبر دے رہا ہوں آپ لوگوں کو۔ آج دوپہر میں اچانک دل کا دورہ پڑنے سے حامد صاحب کا انتقال ہوگیا۔

(میوزک ..... درد سے لبریز)

شاہد۔ (چلا کر) یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ!

شرما۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔

اشرف۔ ارے آج صبح ہی تو اُن سے فون پر بات ہوئی ہے۔

حمایت۔ نہیں، نہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

شرما۔ ہونا اور نہ ہونا ایک حادثہ ہے حمایت میاں۔ حامد مرحوم کے بڑے بھائی نے مجھے فون پر بتایا ہے اور آپ سب کو اطلاع دینے کو کہا تھا ..... ابھی میں وہیں جا رہا ہوں۔

شاہد۔ حامد مر گیا ..... نہیں یہ جھوٹ ہے۔ میرے خدا ..... یہ کیسی خبر سنا رہا ہے تو۔

سلطانہ۔ حامد بھائی کا انتقال ہوگیا ۔۔ کیسے، کب، کہاں؟ (گھبرائی ہوئی آواز)

اشرف۔ شرما جی نے خبر لائی ہے۔ یقین نہیں آتا۔

حمایت۔ حامد کس قدر اچھا دوست تھا ۔۔ اچانک چل بسا۔

ناظم۔ سمجھ میں نہیں آتا ۔۔ ایسا پیارا آدمی .....

شاہد۔ میرے بچپن کا دوست۔

اشرف۔ اچھا بھائی چلتے ہیں ۔۔ مجھے ڈاکٹر کے یہاں جانا تھا۔

حمایت۔ ہاں بھئی۔ میں بھی چلا ..... بیگم شاپنگ کے لئے منتظر ہوں گی۔

شاہد۔ ٹھیک ہے ..... میرا تو دماغ ہی ماؤف ہوگیا۔

ناظم - میں نے سینما کا ٹکٹ لے رکھا تھا - (افسوس و ملال کے ساتھ) سارا پروگرام چوپٹ ہو گیا -

(سلام علیکم ...... وعلیکم السلام ...... جانے کی آوازیں)

شاھد - (خود کلامی ...... آہستہ آہستہ) حامد مر گیا ...... بے چارہ میرا ہمدم، میرا دوست اور میرا رفیق - مجھے چھوڑ کر چلا گیا — میرے بچپن کا دوست ...... میرا محسن — چار ہزار اس نے مجھے قرض دیئے تھے - اور آج تک کبھی تقاضہ نہیں کیا اس نے ...... کس قدر مخلص دوست تھا — چار ہزار روپے ...... اب میں وقت ضرورت کس سے روپے مانگ سکوں گا — اور اس کے چار ہزار ...... کیسے واپس کروں گا ... . چار ہزار ...... مگر اس کی بیوی کو تو اس کا علم ہو گا نہیں — پھر واپس کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ...... پھر واپس کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ...... یہ چار ہزار کا قرض میرے سینے پر کتنا بڑا بوجھ بن کر رہا ہے ...... اور اگر اس کی بیوی کو علم ہوا تو ...... کہہ دوں گا کہ دے دیئے تھے ..... حامد مر گیا — اور چار ہزار ...... وہ بھی مر گیا - (آواز میں خوشی کا اظہار سا ہے) چار ہزار بھی مر گیا ..... (ہلکی سی ہنسی) -

سلطانہ - (حیرت سے) آپ کو کیا ہو گیا ہے ..... آپ آہستہ آہستہ کیا بول کر ہنس رہے ہیں ؟ — حامد بھائی کی موت نے آپ کو پاگل تو نہیں کر دیا ..... آپ ہنس کیوں رہے ہیں ؟

شاھد - (چونک کر) ایں — میں ہنس کہاں رہا ہوں — حامد مر گیا .... چار ہزار ...... میرا دوست مر گیا .... میں ہنسوں گا — کیوں ...... میں کیوں ...... (چیختا ہے) .... حامد مر گیا ....

نہیں، نہیں ...... میں مرگیا...... مجھے رونا چاہیئے...... رونا چاہیئے مجھے (رونے لگتا ہے ...... روتا رہتا ہے اور چیختا رہتا ہے) ..... حامد نہیں مرا ...... میں مرگیا...... میں مرگیا .....

(میوزک کے ساتھ ...... ڈرامہ ختم ہوتا ہے۔)

دوسرا کینسر

کردار

احمد — ۴۰ - ۴۵ سال کا انجینئر جو مذہبی اور سنجی مشہور ہے۔
دنیش — احمد کا دوست جو انجینئر ہے۔
رشو — احمد کی بیوی۔
شرفو — احمد کا نوکر۔
مولانا آفاق — واعظ اور عالم۔
صدیقی — احمد کا ایماندار دوست جو ایک گزیٹیڈ افسر بھی ہے۔
ارشد — پبلک اسکول کا تعلیم یافتہ، کالج کا طالب علم، احمد کا لڑکا۔
نشاط — صدیقی کی بیوی۔
رحمان صاحب — ٹھیکیدار - سماج سدھار کمیٹی کے صدر اور احمد کے دوست۔

فلیش بیک کے کردار —

خان بہادر — صدیقی کے والد
بیگم — صدیقی کی ماں
مرزا صاحب — خان بہادر کے دوست
پس منظر — بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کا متوسط تعلیم یافتہ طبقہ

پہلا سین

[پان کی دوکان پر مختلف گاہکوں کی آوازیں]

ایک آواز۔ بھیّا دو سیکی پان لگانا۔
دوسری آواز۔ یار ذرا جلدی سے مجھے دے دو۔ گاڑی کا وقت ہے۔
پان والا۔ کیا کھائیں گے صاحب؟ تمھی لگائیں یا میٹھا پتّا؟ کیا کھائیں گے۔ سادہ
بازردے والا؟
پہلی آواز۔ تمھی لگاؤ بھئی۔ ایک میں پان بہار اور ہیرا موتی۔ دوسرے میں تین سو نمبر۔
یار دنیش۔ تم تو سادہ ہی کھاتے ہو نا؟
دنیش۔ ہاں بھائی۔ مجھے پان کا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔ بس کوئی کھلا دے تو کھا لیتا ہوں۔
پہلی آواز۔ کمال ہے یار! گیا کے رہنے والے ہو اور پان کا شوق نہیں؟ اس دوکان کا پان
دو چار دن کھا لو بس شوق پیدا ہو جائے گا۔
دنیش۔ چھوڑو بھی یار۔ اتنے شوق پہلے ہی لگ چکے ہیں کہ اب اور کیا بڑھاؤں۔ ویسے
بھی گرانی نے حالت خراب کر رکھی ہے۔
احمد۔ اماں چھوڑو بھی یار۔ ابھی ڈیزائن میں پوسٹنگ ہوئے چھ ماہ ہی ہوئے ہیں اور
تم رونا رونے لگے۔ ورکس کا بچایا ہوا کب کام آئے گا؟ (ہنستا ہے)
دنیش۔ (ہنستے ہوئے) بھائی صاحب تم چاندی کاٹ رہے ہو اسی لئے ہری ہری سوجھ
رہی ہے۔ یہاں تو ایسا سو کھا پڑا ہے کہ مت پوچھو۔ بس چھ ماہ اور کاٹ لوں پھر
ہاتھ پیر مار کر کسی اچھے ڈویژن میں جاؤں گا۔
(مظفر آواز لگاتا ہے)

فقیر - بابا جو دے اس کا بھی بھلا، جو نہ دے اس کا بھی بھلا - بابا پانچ پیسے کا سوال ہے -
احمد - یار یہاں تو کھڑا رہنا بھی مشکل ہے - یہ بھیک مانگنے والے تنگ کر دیتے ہیں -
(فقیر سے) بابا آگے بڑھو -
فقیر - خدا بھلا کرے گا - ایک ہی پیسہ دے دو صاحب -
احمد - (غصّے میں) کہہ دیا نا آگے بڑھو - پیچھے پڑ گئے - جاتے ہو یا بلاؤں پولیس کو ــــ
کام کیوں نہیں کرتے؟
فقیر - کام کہاں ملتا ہے؟ بابو جی اب بڑھاپے میں کام بھی کیا کریں گے ــ کچھ دے دو صاحب -
خدا بھلا کرے گا -
احمد - (بگڑ کر) تم پیچھا نہیں چھوڑو گے؟ جانتے نہیں بھیک مانگنا جرم ہے؟ بھاگو، نہیں تو
تھانے بھیج دوں گا - قانون توڑتے شرم نہیں آتی -
فقیر - ہم کانون وانون کیا جانیں صاحب - ہم تو بس پیٹ کا کانون جانتے ہیں - اور یہ جالم
پیٹ کچھ نہیں سنتا - کچھ دے دو -
احمد - اچھا تو تم خاصے لیڈر رہو - بھیک مانگنا چھوڑو اور لیڈری کرو -
دنیش - چھوڑو بھی یار - کیا اُلجھ پڑے - (فقیر سے) لو بابا یہ دس پیسے اور راستہ ناپو -
فقیر - خدا خوش رکھے - جو دے اس کا بھی بھلا، جو نہ دے اس کا بھی بھلا -
دنیش - (ہنستے ہوئے) کتنی غلط بات کہہ رہا ہے - ہمارے یہاں تو جو دے اس کا بھلا
اور جو لے اس کا بھی بھلا ہوتا ہے (ہنستا ہے) اور جو نہ دے اور نہ لے اس کا تو
ستیا ناس ہے یہاں - (دونوں ہنستے ہیں -)
احمد - یار بڑا خراب زمانہ آگیا ہے - اب تو کسی سے بات کرنے کا بھی نہیں رہا - سالے بھک منگے
بھی بحث کرنے لگتے ہیں -
دنیش - چلو پان کھاؤ اور زمانے کا رونا چھوڑو - سب ٹھیک ہے -
احمد - (پان کھاتے ہوئے) لو یہ الائچی لو ..... نہیں یار واقعی زمانہ بہت خراب ہو گیا ہے -

ویلوز (Values) بالکل ختم ہورہے ہیں۔ پتہ نہیں کیا ہوگا آگے۔

دنیش ۔ ارے یار! کیوں رونا رو رہے ہو ویلیوز کا۔ زمانے کا یہی چلن ہے۔ اپنی سناؤ

آج کل کیسا چل رہا ہے۔ آمدنی ٹھیک ہے نہ؟ گھوش تو کہہ رہا تھا کہ تم روپے کی

تین اٹھنی بنا رہے ہو۔ بڑی اچھی پوسٹنگ ہو گئی ہے تمہاری۔

احمد ۔ ہاں بھئی خدا کا فضل ہے۔ میں تمہاری طرح ناشکرا نہیں ہوں۔ اچھی جگہ مل گئی ہے۔

میں نے مکان بھی بنالیا اور کار بھی خریدلی۔ بڑے لڑکے کو میڈیکل میں دے دیا ہے —

اللہ کا بڑا کرم ہے ورنہ تنخواہ سے تو دو وقت کی روٹی بھی نہیں چلے گی۔

دنیش ۔ چلو اچھا ہے میاں۔ موج اڑالو — اپن کے دن بھی پھریں گے۔

احمد ۔ یار تم شرما جی کو پکڑو۔ کچھ خرچ کرو۔ اچھی جگہ مل جائے گی۔ بیٹا جب تک خرچ

نہیں کروگے، کام نہیں بنے گا۔

No gain without investment.

(کچھ ہنگامے اور لڑائی کی آواز آتی ہے۔ مختلف آوازیں ہیں۔)

ایک آواز ۔ کیا ہوا — کیا ہوا؟ مارو۔ پکڑو۔ پکڑو —

دوسری آواز ۔ ارے ہونا کیا ہے۔ مارپیٹ ہو گئی۔ اسٹوڈنٹس کے دو گروپ میں۔ آپس میں

لڑ پڑے ہیں۔

احمد ۔ حیرت ہے! کسی کو کچھ خیال ہی نہیں۔ سڑک پر مارپیٹ کرنے رہے ہیں۔ نہ پولیس کا

ڈر نہ قانون کا۔ اس قدر لوگ نڈر ہو گئے ہیں کہ ...... میں کہتا ہوں یہ سوسائٹی

کہاں جائے گی؟

دنیش ۔ (ہنستے ہوئے) جہاں تم لے جا رہے ہو۔

احمد ۔ نہیں یار۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔ سارے ویلیوز ختم ہو گئے۔ کوئی سوچتا ہی نہیں کہ

ہمارا ملک کہاں جا رہا ہے۔ سماج، سوسائٹی، قانون کسی کا کوئی لحاظ ہی نہیں ہے۔

اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔

دنیش - (ہنستے ہوئے) میاں! روپے کی تین اٹھنیاں بناؤ - خدا کا شکر کرو اور ویلوز
کی بات بھول جاؤ -

احمد - نہیں یار یہ کیسے ہو سکتا ہے - میرے تو خون میں ویلوز سمائے ہوئے ہیں -
میں کیسے انھیں چھوڑ سکتا ہوں -

دنیش - اچھا بھئی - تم اپنے ویلیز کا راگ الاپتے رہو - ہیپو کریسی (Hypocrisy) چھوڑ دو -
سب ٹھیک ہے - جو دے اس کا بھی بھلا اور جو لے اس کا بھی بھلا - باقی سب کا
ستیاناس - (ہنستا ہے) میں چلا - بائی بائی -

احمد - (ذرا زور سے) اچھا بائی بائی - مگر دیکھو شرما جی کو ضرور پکڑنا - ہزار پانچ سو میں کام
بن جائے گا - بھابھی کو نمستے کہنا -

(دونوں چلے جاتے ہیں -)

دوسرا سین

(احمد کا گھر)

احمد - ارے بھئی کہاں ہو؟ رشّو --- پتہ نہیں کہاں چلی گئیں - رشّو --- رشّو --- !
(چلّاتا ہے)

رشّو - آ رہی ہوں بھئی - میں ذرا باتھ روم گیا گئی - آپ نے تو سارا گھر ہی سر پر اٹھا لیا - کیا
بات ہے؟ کون سی آفت آ گئی - گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے ہیں؟ گڈّو ابھی ابھی سویا ہے -
اُٹھ گیا تو غضب ہی ہو جائے گا - (وقفہ) لیجیے کہاں تو چلّا رہے تھے کہاں بالکل ہی
چُپ ہو گئے! کچھ بولیے بھی -

احمد - تم چُپ ہو جاؤ تو بولوں - میں نے صرف آواز دی تھی - تم پورا لکچر دینے لگیں -

رشّو - کہیے نا کیا بات تھی؟

احمد - تمہارے لیکچر کے بعد مجھے کیا خاک یاد رہے گا کہ کس لئے بلا رہا تھا — ہاں یاد آیا۔
میں پوچھ رہا تھا کہ رات جو پانچ ہزار روپے تمہیں رکھنے کو دیئے تھے وہ کہاں رکھ دیئے؟

رشّو - ارے کیا میں کھا گئی۔ الماری میں جو ڈبّہ ہے اسی میں رکھے ہیں۔ مگر سویرے سویرے
روپے کی کیا ضرورت آپڑی؟

احمد - ضرورت کیا پڑے گی؟ یہ روپے گھر میں رکھنے کے نہیں ہوتے بیگم صاحبہ۔ دس دوست
دس دشمن ہوتے ہیں۔ ویسے ہی پڑوس کے لوگ جلتے رہتے ہیں۔ کہیں چھاپہ پڑ گیا تو
مصیبت ہی ہوگی۔ روپے مجھے دے دو، میں جاکر لاکر میں رکھ آؤں —

رشّو - لیکن لاکر پہ چھاپہ نہیں پڑ سکتا کیا؟

احمد - (ہنستے ہوئے) یا اللہ! عورتوں کو حُسن کے ساتھ تھوڑی عقل بھی کیوں نہ دی تو نے؟
اری بھاگوان لاکر میرے نام تھوڑے ہی ہے، وہ تو تمہارے پیارے بھائی صاحب یعنی
میرے سالے صاحب کے نام پر ہے۔ کسی کو کیا پتہ — تم روپے نکال دو۔ میں بینک میں
جاکر رکھ دوں گا اور ادھر ہی سے جمعہ کی نماز میں چلا جاؤں گا۔ آج کچھ دیر سے لوٹوں گا۔
تم کھانا کھا لینا۔

رشّو - دیر سے کیوں لوٹیں گے؟ پھر کہیں بازی جمے گی کیا؟

احمد - لاحول ولا قوۃ — جب سوچو گی الٹی ہی سوچو گی۔ بعد نماز جمعہ مولانا آفاق کی
تقریر ہے۔ واللہ کیا بصیرت افروز تقریر کرتے ہیں۔ روح کو فرحت اور ایمان کو تازگی
بخش دیتے ہیں۔ اسی میں دیر ہو جائے گی۔

رشّو - اور وہ مسجد میں چندہ دینے کی بات جو تھی اس کا کیا ہوا؟

احمد - ہونا کیا تھا۔ میں نے پچھلے جمعہ کو پانچ سو ایک روپئے دینے کا اعلان کیا تھا۔ خوب واہ
واہ ہوئی۔ میری سخاوت کی دھاک تو پہلے سے بنی ہوئی ہے۔

رشّو - ہاں بھئی مسجد میں تو دینا ہی چاہئے۔

احمد - کیوں نہیں — آخر جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہی دیا ہوا تو ہے — اور پھر آخرت کا سامان

بھی تو کرنا ہے۔ جب تک مسجد رہے گی، ثواب جاریہ ملتا رہے گا۔

رشّو۔ بے شک! مگر اتنا نہ ہوا کہ کچھ میرے نام سے بھی دے دیتے۔ آخر میری آخرت کا کیا ہوگا؟

احمد۔ ارے بھئی میں جنت میں جاؤں گا تو کیا تمہیں چھوڑ دوں گا؟ جنت کے دروازے پر رُک کر اللہ میاں سے کہوں گا کہ جب تک مجھے رشّو عطا نہیں ہوگی میں جنت میں نہیں جاؤں گا۔ بس! اللہ میاں تمہیں بخش دیں گے۔ کیوں؟ (ہنستا ہے)

رشّو۔ (روہانسی ہوکر) دیکھئے مذہب کے معاملے میں مذاق مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔

احمد۔ (ہنستے ہوئے) اچھا بھائی۔ یتیم خانے میں جو پیسہ مجھے دینا ہے وہ تمہارے نام پر دے دوں گا۔ فرشتے تمہارے اکاؤنٹ پر جمع کر دیں گے۔ بس اب تو خوش ہو تّو۔

رشّو۔ (شرماتے ہوئے) دھت۔ مذاق کرنا تو کوئی آپ سے سیکھے۔

شرفو۔ سرکار! کچھ پیسہ ہمکا بھی چاہئے۔

احمد۔ لیجئے یک نہ شد دو شد۔ آپ کو کس لئے چاہئے پیسہ؟ آپ نہ تو مسجد ہیں نہ یتیم خانہ۔

شرفو۔ سرکار۔ چھوٹکی بیٹی کی شادی اگلی جیٹھ میں ضرور ہئے جیہے اور پیسہ کوڑی کا کوئی انتجام نہیں ہو سکا ہے۔

رشّو۔ فکر مت کرو۔ سو، پچاس ہم سے لے لینا۔

شرفو۔ بیگم صاحب۔ سو پچاس سے کا ہوئی گا اس گرانی میں۔

رشو۔ (بگڑ کر) تو اور کیا ہزار چاہئے۔

احمد۔ اونہہ چھوڑو بھی۔ (شرفو سے) جاؤ تم میرے جوتے پالش کرکے لاؤ اور فضول باتیں مت کرو۔ سمجھے!

شرفو۔ نہیں صاحب۔ فجول بات کاہے کریں گے۔ سرکار کی سکھاوت کی تو محلے میں شہرت ہے۔ سب لوگن کہتے ہیں کہ سکھی ہو تو احمد صاحب جیسا۔ افسر ہیں۔ انگریجی پڑھے ہیں مگر

سرکار کی تو دین دنیا دونوں اچھی ہے۔

ہمیشہ نماج پڑھتے ہیں اور کھوب چندہ دیتے ہیں۔

ہم گریب پہ بھی نجر رکھئے۔ کھدا بھلا کرے گا۔

احمد - اچھا بابا - سن لیا، جاؤ کام کرو --- (شرفو چلا جاتا ہے) اونہہ تنگ آ گیا میں ---

مسجد کے لئے چندہ، یتیم خانے کے لئے چندہ، لڑکی کی شادی کے لئے چندہ - ارے میں کیا

انھیں لوگوں کے لئے کماتا ہوں - جسے دیکھو ہاتھ پھیلائے چلا آ رہا ہے۔

رشّو - آپ خود اتنا پیسہ لٹاتے ہیں تو دوسرے کیا کریں۔ میں تو کہتے کہتے تھک گئی کہ ہاتھ روکیے۔

احمد - ارے بھائی تو کیا کریں۔ عزت بچانے کے لئے بھی تو دینا پڑتا ہے - اب حامد خلیفہ نے

تین سو دیئے تو مجھے پانچ سو دینے ہی پڑے۔ آخر لوگ کیا کہتے ؟ سماج میں عزت بنائے

رکھنے کے لئے کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔

رشّو - وہ تو ٹھیک ہے مگر.....

احمد - (بگڑ کر) کیا اگر، مگر لگا رکھی ہے۔ نماز کا وقت ہوا جا رہا ہے اور تم کھڑی ہو --- کُرتا

کہاں ہے ہمارا ؟

شرفو - (کھانستے ہوئے) سرکار! جوتا۔

احمد - (بگڑ کر) میرے سر پہ دے مارو۔

شرفو - (گھبرا کر) سرکار ہمری کا مجال۔ کوئی کسور ہوا ہو تو ماف کر دیجئے۔

احمد - بحث مت کرو۔ دفعان ہو جاؤ۔

شرفو - کھدا آپ کا بھلا کرے۔ آپ بڑے دیالو ہیں سرکار۔

احمد - اچھا - اچھا ٹھیک ہے --- شام کو ذرا چائے وغیرہ کا انتظام کر لینا --- کچھ لوگ

آنے والے ہیں۔

رشّو - یہ پھر کون لوگ آ رہے ہیں ؟ --- روز کا یہی قصّہ ہے۔

احمد - ارے بھئی مولانا آفاق صاحب کو چائے پر مدعو کیا ہے - ان کے ساتھ سماج سدھار کمیٹی

کے کچھ لوگ بھی آئیں گے۔ آخر اپنی عزت بنائے رکھنے کے لئے یہ سب کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے..

اور ہاں دیکھو، شاید صدیقی بھی آئے گا، اس نے فون کیا تھا۔

رشّو۔ صدیقی؟ — کون صدیقی؟

احمد۔ (ذرا بگڑ کر) کون صدیقی! — ارے تو کیا دس بیس صدیقی ہیں۔ وہی اپنا بچپن کا دوست صدیقی۔ فون پر کچھ پریشان لگ رہا تھا — کہہ رہا تھا کہ شام کو آؤں گا، کچھ کام ہے۔

رشّو۔ سمجھ گئی کیا کام ہوگا۔ روپیوں کی ضرورت ہوگی۔ آخر وہ جو کماتے ہیں وہ کیا ہو جاتا ہے؟ ہمیشہ ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں۔

احمد۔ (تیز لہجے میں) رشّو یہ تم کیا کہہ رہی ہو! ہوش میں آؤ۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں اسی کی بدولت ہوں۔ اگر صدیقی کے والد مجھے نہیں پڑھاتے تو شاید میں ہائی اسکول بھی نہیں کر سکتا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ خان بہادر کا احسان تو میری کئی پشتیں بھی نہیں اُتار سکتیں۔ اور پھر صدیقی نے روپے کب واپس نہیں کئے؟ بے حد ایماندار اور شریف آدمی ہے۔

رشّو۔ میں کب کہہ رہی ہوں کہ وہ بے ایمان ہیں۔ مگر وہ بھی تو گزیٹڈ پوسٹ پر ہیں۔ ہزار آٹھ سو ملتے ہی ہوں گے۔ پھر کیا مجبوری ہے؟

احمد۔ ارے پگلی۔ ہزار آٹھ سو میں کیا ہوتا ہے۔ پانچ بچّے ہیں۔ کھلانا، پڑھانا۔ پھر لڑکی کی شادی سر پر ہے۔ ایماندار ایسا کچھ کر سکتا ہے مگر غلط کام نہیں کر سکتا۔ پریشان تو رہنا ہی ہے ایسے آدمی کو۔

رشّو۔ تو پھر پریشان رہیں۔ ہمیں کیوں پریشان کر رکھا ہے انھوں نے۔

احمد۔ تم کبھی عقل سے کام لوگی بھی یا نہیں؟ ہزار روپے تو مجھے بھی ملتے ہیں۔ تنخواہ سے گزارا ممکن ہے کیا؟ یہ موٹر، یہ فریج، پھر تمہارے لئے قیمتی ساڑیاں ہر مہینے — یہ سخاوت کے چندے — کیا تنخواہ سے یہ سب ہو جاتا؟

رشّو۔ بس آپ کو میری ساڑیوں کی ہی جلن آتی ہے۔

احمد۔ تو اور کیا — میں تو اکثر سوچتا ہوں کہ انسان بیوی بچوں کے لئے اپنا ایمان

خراب کرتا ہے۔

رشّو۔ کیوں نہیں؟ آپ کی ساری آمدنی تو ہمیں لوگ کھا جاتے ہیں۔

احمد۔ (جھلّا کر) میں یہ کب کہہ رہا ہوں۔ مگر کبھی کبھی ضمیر ڈسنے لگتا ہے کہ کس قدر ہپوکریسی (Hypocrisy) کی زندگی ہے۔ مگر کیا کروں۔ ایمانداری کو کاندھے پر لئے پھروں تو پھر یہ عیش و عشرت کی زندگی کہاں نصیب۔ اچھا میں چلا۔ بائی بائی۔

تیسرا سین

(احمد کا گھر جہاں کچھ لوگ بیٹھے ہیں)

احمد۔ مولانا آفاقی صاحب! آج مسجد میں آپ کی بصیرت افروز تقریر نے تو ایمان تازہ کر دیا۔ سبحان اللہ! کس قدر پُر اثر بیان تھا آپ کا۔ کیوں رحمان صاحب؟

رحمان۔ کیا کہنے ہیں صاحب۔ برسوں بعد ایسی تقریر سننے کا موقع ملا۔ اللہ نے مولانا کی زبان میں تاثیر دی ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ زہد و تقویٰ تو مولانا کی زندگی کا جزو ہے۔

مولانا۔ شکریہ شکریہ! مگر آپ حضرات مجھے کانٹوں میں کیوں گھسیٹ رہے ہیں۔ سب اللہ کا کرم ہے۔ دراصل احمد صاحب خود ہی اس قدر سخی اور پاکیزہ زندگی گزارنے والے ہیں۔ ایمان کا بھرم تو آپ ہی جیسوں سے قائم ہے۔

رحمان۔ ہاں صاحب یہ بات تو ہے۔ اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ عہدہ۔ مگر اس کے باوجود اس قدر پاکیزہ خیالات ہیں احمد صاحب کے اور اس قدر با اصول اور دیندار ہیں کہ کیا کہئے۔

احمد۔ شکریہ! مگر میں تو خود کو گنہگار سمجھتا ہوں۔ اپنی طرف سے یہ کوشش ضرور کرتا ہوں کہ خدا مجھ کو بخش دے۔ ورنہ اس چار دن کی زندگی میں کیا رکھا ہے۔ انسان کو آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔ اس مختصر زندگی کے لئے ایمان کو خراب کرنا کیسی حماقت ہے۔

مولانا ۔ سبحان اللہ ۔ سبحان اللہ ! کیا پاکیزہ خیالات ہیں آپ کے۔

(دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

احمد ۔ شرفو ۔۔۔ شرفو ۔۔۔ دیکھو بھئی کون ہے ۔

شرفو ۔ صدیقی صاحب ہیں ۔ آپ سے ملنے آئے ہیں ۔

احمد ۔ ارے بھئی صدیقی آ جاؤ ۔۔۔ آؤ ۔۔۔ آؤ ۔ تمہیں ان لوگوں سے ملاؤں ۔ یہ ہیں مولانا آفاق صاحب ، مشہور عالم ہیں ۔۔۔ اور یہ ہیں رحمان صاحب ۔ سماج سُدھار کمیٹی کے صدر ۔ ویسے میرے محکمے کے بہت بڑے کنٹریکٹر ہیں ۔۔۔ اور یہ ہیں میرے بچپن کے دوست صدیقی ۔ گزیٹڈ آفیسر ہیں ۔ ویسے سمن پورہ کے خان بہادر فرید صدیقی صاحب کے صاحبزادے ہیں ۔

(مولانا آفاق اور رحمان ساتھ ساتھ بولتے ہیں) اچھا اچھا ۔۔۔ بھلا مرحوم خان بہادر کو کون نہیں جانتا ۔ سمن پورہ کے نامی رئیس تھے ۔ آئیے آئیے ۔

صدیقی ۔ (ہنستے ہوئے) احمد صاحب نے تو میرا اتنا لمبا چوڑا تعارف کرا دیا کہ مجھے ندامت ہو رہی ہے ۔ میں ایک معمولی سا انسان ہوں ۔۔۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی مولانا ۔ آپ کی بڑی تعریف سُنی ہے ۔

احمد ۔ ارے بھئی ۔ تم تو جمعہ کی نماز میں آتے ہی نہیں ۔ آج مولانا کی تقریر سُنی ہوتی تم نے ۔ واللہ ایمان تازہ ہو گیا ہم لوگوں کا ۔

صدیقی ۔ (ہنستے ہوئے) ارے بھئی میرے پاس ایمان ہوتا تبھی تو تازہ ہوتا ۔ میں محروم ہی رہ گیا ۔

مولانا ۔ صدیقی صاحب ! نماز ترک نہیں کرنی چاہئے ۔ آپ احمد صاحب سے سبق لیجئے ۔ کبھی نماز نہیں چھوڑتے ۔

صدیقی ۔۔ ہاں صاحب ۔ میں واقعی گنہگار ہوں ۔ احمد صاحب سے ضرور سبق لینا چاہئے ۔

احمد — دیکھو یار صدیقی تمہارا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم عبادت سے
بھاگتے ہو۔ آخرت کا سامان تو کرنا ہی چاہئے۔

صدیقی (ہنستے ہوئے) — ارے بھئی میں نے کب کہا کہ عبادت بری چیز ہے۔ (سنجیدگی سے) میں تو سمجھتا ہوں کہ زندگی بذات خود ایک عبادت ہے بشرطیکہ اُسے عبادت سمجھا جائے۔ میں تو ابھی عبادت کی پہلی اسٹیج سے ہی گذر رہا ہوں۔

احمد — یہ کہہ کر تم بھاگ نہیں سکتے۔

صدیقی (ہنستے ہوئے) — میں بھاگ کب رہا ہوں۔ مجھے اپنی خامیوں کا پورا احساس ہے۔

مولانا — پھر آپ آتے کیوں نہیں صدیقی صاحب — اللہ نے .....

صدیقی — (مولانا کی بات کاٹتے ہوئے) مولانا، بڑا ذاتی سوال کر رہے ہیں آپ۔ مجھے مسجد آنے سے انکار کب ہے۔ میں تو ابھی اپنی شخصیت اور کردار کو ایسا بنانے کی کوشش میں لگا ہوں جہاں پہنچ کر میں مسجد میں آنے کے قابل ہو جاؤں۔

مولانا — دیکھئے صدیقی صاحب! احمد صاحب آپ کے دوست ہیں۔ آپ ان سے سبق لیجئے۔ دین اور دنیا دونوں میں سرخرو ہونے کا راز ان سے پوچھئے۔

صدیقی — بہت خوب (ہنستا ہے) ٹھیک ہے۔ ضرور سیکھوں گا۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہم لوگ دوسرے موضوع پر باتیں کرتے۔

احمد — لیکن کیوں! تم مذہب سے اتنا گھبراتے کیوں ہو؟

صدیقی — (سنجیدگی سے) اس لئے کہ ہپوکریسی (HYPOCRISY) نہیں آتی۔ اس لئے کہ مذہب، عبادت اور زندگی کا مفہوم میں سمجھتا ہوں۔

شرفو (بیچ میں آ جاتا ہے) — صاحب چائے!

احمد — رکھ دو۔ دیکھو کچھ ناشتہ بھی لاؤ۔

شرفو — (جلدی سے) تیار ہے صاحب۔ لا رہے ہیں۔ تُرنت لا رہے ہیں۔

احمد — مولانا آفاق صاحب!

مولانا ۔ جی فرمایئے ۔

احمد ۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ انسان چار دن کی زندگی کے لئے فکرمند رہتا ہے اور آخرت کی کوئی فکر نہیں کرتا ۔ جبکہ اس چند روزہ زندگی کے لئے وہ کیا کچھ نہیں کرتا ۔ ایمان اور انسانیت سب کچھ بیچ دیتا ہے ۔

(درمیان میں اچانک احمد کا لڑکا آجاتا ہے)

ارشد ۔ ہیلو پاپا ۔ ہیلو ایوری باڈی (Hello every body) ۔

احمد ۔ کون ارشد ۔ ارے تم کب آئے ؟ کالج بند ہو گیا کیا ؟

ارشد ۔ No I am going to Bombay to attend a pop music concert.

احمد ۔ (بات کاٹتے ہوئے کچھ گھبرا کر) بیٹا تم نے مولانا کو سلام بھی نہیں کیا ۔ یہ مولانا آفاق ہیں اور یہ صدیقی انکل ۔

ارشد ۔ Good morning every body.

احمد ۔ (ذرا بگڑتے ہوئے) یہ کیا بات ہوئی ؟ تمہیں سلام علیکم کہنا چاہئے ۔ تم بالکل......

ارشد ۔ Dont be Silly daddy

صدیقی ۔ ارے بھائی جانے بھی دو ۔ تہذیب اور روایتیں بگڑنے کے لئے ہی ہوتی ہیں ۔ (ارشد سے) Why dont you take a seat

ارشد ۔ تھینک یو انکل ۔ میں تو بچپن ہی سے ہوسٹل میں رہا ہوں اور فادر کو میں نے ہمیشہ گڈ مارننگ کہا ۔ وہ تو برا نہیں مانتے ۔ کیا فرق پڑتا ہے " وش " کرنے کے مختلف انداز ہوتے ہیں ۔

احمد ۔ خاموش رہو ۔ غلطی تمہاری نہیں میری ہے ۔

مولانا آفاق ۔ جانے بھی دیجئے احمد صاحب ، بچہ ہے ۔ ارشد بیٹا ! ہماری

تہذیب، ہمارا مذہب ہمیں سکھاتے ہیں کہ ہم سلام علیک کہیں۔

ارشد — وقت بدل رہا ہے مولانا۔ (ہنستے ہوئے) آپ بھی بدل لیجئے ورنہ پیچھے رہ جائیں گے۔

صدیقی (ہنس کر) — مولانا تو کافی بدل چکے ہیں بھائی۔ ورنہ احمد اور تم کیسے بدلتے۔

احمد — (غصے میں) ارشد، تم ہوش میں رہو۔ تہذیب اور روایتیں تمہاری شرٹ نہیں ہیں کہ جب چاہو بدل ڈالو۔

ارشد — (سنجیدگی سے) مگر ڈیڈی، یہ کینسر بھی تو نہیں جس سے نجات ممکن نہ ہو۔

صدیقی (ہنستا ہے) — بہت خوب، تہذیب اور روایتیں کینسر بھی تو نہیں — بڑا خوبصورت جملہ ہے۔ خدا کی قسم لطف آ گیا۔ شاباش ارشد بیٹا۔ تم اپنے باپ سے زیادہ frank ہو۔ (احمد سے) ارے بھائی احمد چھوڑو۔ کیا بچوں سے الجھتے ہو۔ زیادہ الجھو گے تو ایسے ہی جملے ملیں گے۔ جاؤ ارشد امی سے مل لو — وہ تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی — (وقفہ) اچھا بھئی میں چلا — پھر ملوں گا۔

احمد — مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ کچھ کام ہے۔ کیا کام ہے بتاؤ نا؟

صدیقی — کل فون پر بات کر لوں گا۔ اب موڈ نہیں رہا۔ اچھا مولانا تسلیم۔ میرے حق میں دعا کیجئے گا۔

مولانا — وعلیکم السلام۔ میری باتوں کا برا مت مانئے گا۔ مگر آپ کو عبادت کا خیال رکھنا چاہئے۔

صدیقی — (ہنستے ہوئے) شکریہ۔ میں عبادت ہی تو کر رہا ہوں مولانا۔ (سنجیدگی سے) دیانت داری سے زندگی گذارنی رسمی عبادتوں سے کہیں زیادہ کٹھن ہے حضور۔ ابھی میں پہلی منزل میں ہوں۔ اچھا خدا حافظ۔

چوتھا سین

(صدیقی کا گھر)

نشاط ـ کیا احمد بھائی نے روپے دیئے ؟

صدیقی ـ نہیں بھائی ـ میں مانگ ہی نہ سکا۔

نشاط ـ لیکن کیوں ؟

صدیقی ـ وہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ـ میرے اندر اتنی اخلاقی جرأت نہیں تھی کہ ان کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ـ

نشاط ـ پھر کیسے کام چلے گا ؟ مکان کا کرایہ دینا ہے اور گڈو کو ڈاکٹر کے پاس بھی لے جانا ہے ـ اس کی حالت دن بدن بگڑتی جارہی ہے اور میرے پاس بالکل پیسے نہیں ہیں ـ

صدیقی ـ ہوں ـ بات تو ٹھیک ہے ـ مگر میں کیا کروں ؟

نشاط ـ (چڑ کر) میں کیا کروں ؟ آپ نہیں کریں گے تو میں کروں گی کیا ؟ حیرت ہوتی ہے آپ پر ـ پڑوس میں ثریا جی ہیں ـ ان کی تنخواہ آپ سے آدھی ہوگی ـ مگر کیسی خوش حالی کی زندگی ہے اور ایک ہم ہیں ـ نہ فریج، نہ ٹی ـ وی، نہ کار ـ حتیٰ کہ بچے کے علاج کے لئے بھی پیسہ نہیں ـ

صدیقی ـ تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر .....

نشاط ـ مگر وگر کچھ نہیں ـ آپ کو کچھ کرنا ہوگا ـ (روہانسی ہوکر) میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر اپنے بچے کو گھل گھل کر مرتا نہیں دیکھ سکتی ـ اسے علاج کے لئے دہلی لے جانا ہوگا ـ آپ میرے زیور بیچ دیجئے ـ

صدیقی ـ کتنے بچے ہیں تمہارے پاس ؟ وہ تو پہلے ہی بک چکے ہیں ـ صرف ایک جوڑا

آئرننگ بچے ہیں جو میں نے تمہیں رونمائی میں دیئے تھے۔ انھیں میں ہرگز نہیں

بیچ سکتا۔ ہرگز نہیں۔

نشاط ۔ تو پھر میرا گلا گھونٹ دیجئے۔ میں اس جہنم میں کب تک جلتی رہوں گی؟

صدیقی ۔ (زور سے) تم یہ کیا کہہ رہی ہو نشاط۔ تم اس زندگی کو جہنم کہہ رہی ہو۔ کیا واقعی تم اس قدر اکتا گئی ہو مجھ سے؟ (وقفہ)

(پھر صدیقی بھاری آواز میں بولتا ہے اور پس منظر میں نشاط کی ہچکیوں کی آواز ابھرتی رہتی ہے) ادھر آؤ — میرے پاس آ جاؤ — میرے سینے سے لگ جاؤ۔ یوں نہیں.... یوں — ہاں چپ ہو جاؤ — رونے سے کیا فائدہ؟ تم نے تو میرے ساتھ خارزاروں میں چلنے کی قسم کھائی تھی نشاط۔ ذرا سا کانٹا چبھا تو بلبلا اٹھیں۔ میں نے اس سنگلاخ راستے کو اس لئے چنا تھا کہ اگر کہیں میرے پاؤں تھکے تو تمہارے پیار کی گھنی چھاؤں میں آرام کر لوں گا۔ تم تو میرا سہارا ہو، یوں راستے میں ساتھ چھوڑنے کی بات کرتی ہو......

نشاط ۔ (روتے ہوئے) مگر میں کیا کروں — میں ماں ہوں۔

صدیقی ۔ ٹھیک ہے — مگر میرا بھی تو خیال کرو۔ میں بھی تو تمہاری باہوں کا سہارا لیتا ہوں۔ ایک بات بتاؤ نشاط — یہ تمام عیش و عشرت کے سامان، کار، فریج، ٹی۔وی، یہ دولت، یہ سب luxuries کی باتیں ہیں۔ ان تمام چیزوں کے حصول کے بعد بھی انسان خوشی سے کوسوں دور رہتا ہے۔ میں نے اپنے لئے جو راستہ منتخب کیا ہے اس میں یہ سب کچھ نہیں ہے مگر سکون ہے۔ ضمیر کا اطمینان ہے، جو دوسروں کو میسر نہیں۔ رہی گڈو کی بیماری — گھبرانے کی بات نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا ہمیں آزمائش میں ڈال رہا ہے نشاط۔ قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔ ورنہ لوگ ہنسیں گے کہ صدیقی کا ایمان بھی ڈھونگ تھا۔ صدیقی اور احمد میں فرق ہونا چاہئے نشاط۔ ورنہ صدیقی مر جائے گا۔ لاش

کہیں زندہ رہ سکتی ہے؟ لوگوں کو معلوم ہے کہ گڈو بیمار ہے اور میرے پاس روپیوں کی کمی ہے۔ اسی لئے تو دین محمد ٹھیکیدار میرے پاس پچاسوں پانچ ہزار روپے لے کر آیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں روپے لے لوں اور اس کی انکوائری میں حسب خواہ رپورٹ دے دوں۔ اس نے سیمنٹ میں ریت ملا کر جو پُل بنایا ہے اُسے پاس کر دوں ـــ اور پھر کبھی وہ پُل گر جائے گا اور جانے کتنے لوگ دریا میں ڈوب کر مر جائیں گے۔ کتنے گڈو مر جائیں گے ـــ کتنے یتیم ہو جائیں گے۔ (آواز تیز ہو جاتی ہے) نہیں نہیں ـــ ہرگز نہیں۔ میں ایک گڈو کو بچانے کے لئے بیسوں گڈوؤں کو نہیں مار سکتا۔ میں اپنا ضمیر نہیں بیچ سکتا۔ گڈو کی موت آتی ہے تو آ جائے ـــ (آواز بھرّا جاتی ہے) میرا گڈو ـــ میرا اکلوتا دھیرے دھیرے موت کی طرف بڑھ رہا ہے اور میں اس کا علاج بھی نہیں کرا سکتا ـــ نشاط ٹھیک ہی کہتی ہے۔ مجھے کچھ انتظام کرنا چاہیئے۔ مگر کیسے؟ اب تو جی۔پی۔ایف سے قرض بھی نہیں مل سکتا ...... کیا زمانہ تھا۔ ابا جان نے میری "بسم اللہ" پر ہزاروں روپے خرچ کئے تھے۔ دعوتیں، قوالی، کیا کچھ نہیں تھا۔ خان بہادر صاحب کے اکلوتے بیٹے کی بسم اللہ تھی۔

[فلیش بیک]

(پس منظر سے شہنائی کی آواز اور تقریب کے ہنگامے کی آوازیں ابھرتی ہیں)

ایک آواز ـــ مبارک ہو خان بہادر صاحب!

خان بہادر ـــ شکریہ مرزا صاحب۔

مرزا صاحب ـــ حضور! آپ نے تو چھوٹے میاں کی بسم اللہ پر ایسی محفل سجائی ہے کہ لوگوں نے شادی میں بھی ایسی دھوم دھام نہ دیکھی ہوگی۔

خان بہادر ـــ (ہنستے ہوئے) مرزا صاحب! کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔ اللہ کا کرم ہے۔

ایک ہی تو بیٹا اس نے عطا کیا ہے۔ جو کچھ میرے پاس ہے اسی کے لئے تو ہے۔

مرزا صاحب۔ کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔۔۔ اسی بہانے گاؤں کے غریبوں کا بھی بھلا ہو رہا ہے۔ بے چاروں کو آج بھی بھر کر اچھا کھانا کھانے کو ملے گا۔ (سانس لے کر) آپ کی سخاوت کو بہانہ ملنا چاہیئے۔ اللہ نے دیا ہے تو اس کے بندوں پر یوں ہی کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ سبحان اللہ!

خان بہادر۔۔ ارے بھئی مرزا۔ کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو۔۔ سب اللہ کا ہی دیا ہوا تو ہے۔ میں تو ذریعہ ہوں۔

مرزا صاحب۔ سنا ہے آپ نے قوال بھی بلائے ہیں۔ آج ذرا قوالی سنی جائے گی۔

خان بہادر۔ کیوں نہیں۔ آپ تشریف رکھئے۔ میں ذرا حویلی سے آتا ہوں۔ بہت دیر سے بلاوا آ رہا ہے۔

مرزا صاحب۔ ضرور جایئے بندہ پرور۔ بیگم صاحبہ کی آنکھیں آپ کو دیکھنے کو ترس رہی ہوں گی۔

خان بہادر۔۔ (ہنستے ہوئے) ارے بھئی کیوں بڑھاپے کا مذاق اڑاتے ہو؟

مرزا۔ حضور بوڑھے ہوں آپ کے دشمن۔ اس بڑھاپے پر تو نہ جانے کتنی جوانیاں نچھاور کی جا سکتی ہیں۔

خان بہادر۔۔ (قہقہہ لگاتے ہیں) مرزا صاحب چرب زبانی تو کوئی تم سے سیکھے۔ اچھا بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔ (خان بہادر جاتے ہیں)

مرزا صاحب۔ (پکار کر) حضور بیگم صاحبہ کو اس خاکسار کی طرف سے مبارکباد کہہ دیجئے گا اور کہہ دیجئے گا کہ یہ نمک خوار بھی ان کے کرم کا امیدوار ہے۔ (مرزا صاحب خود کلامی کرتے ہیں) واہ بھئی واہ۔ رئیس ہو تو ایسا اور سخی ہو تو ایسا۔ کیا شاندار انتظام کیا ہے اور یتیم خانے کے بچوں اور غریب غربا کو بھی نہیں بھولے ہیں۔ سب کے لئے یکساں دعوت کا انتظام ہے۔ (چھوٹے میاں

کو سامنے سے گذرتے ہوئے دیکھ کر پکارتے ہیں) اماں چھوٹے میاں، چھوٹے
میاں ذرا سنئے۔
چھوٹے میاں ۔ جی چچا جان! تسلیم
مرزا ۔ اِدھر تو آیئے میاں صاحب ۔ آج تو خوب بج رہے ہیں ۔ یہ کمخواب کی
شیروانی اور زری کی ٹوپی ۔ چشم بد دور ۔ بالکل دولہا لگ رہے ہیں ۔
چھوٹے میاں ۔ میں جارہا ہوں ۔ امّی بلا رہی ہیں ۔
مرزا صاحب ۔ ہاں ہاں ضرور جایئے ۔ امی جان کو میرا آداب کہئے گا اور کہئے گا
کہ چچا کے لئے پان بھجوادیں ۔

پانچواں سین

(گھر کے اندر کا ماحول ۔ عورتوں کی ہماہمی اور ڈھولک کی آواز)

خان بہادر ۔ بیگم! آپ نے مجھے بلایا تھا؟
بیگم ۔ بندہ پرور! آپ کی راہ دیکھتے دیکھتے تو آنکھیں پتھرا گئیں ۔
خان بہادر ۔ (ہنستے ہوئے) خدا خیر کرے ۔ آج میری خیر نہیں ۔ بہت اچھی لگ رہی
ہیں آپ ۔
بیگم ۔ (شرماکر) ارے تو یہ ہٹیئے بھی ۔ یہ کون سا موقع ہے ۔ گھر میں مہمان
بھرے ہیں اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے ۔
خان بہادر ۔ حقیقت کو مذاق کہہ رہی ہیں آپ ۔
بیگم ۔ میں نے آپ کو اس لئے بلایا تھا کہ اب بسم اللہ کی رسم شروع کرا دیجئے ۔
پھر قوالی بھی ہونی ہے اور اتنے لوگوں کو کھانا کھلانا ہے ۔ دیر ہو جائے گی ۔

مولانا تشریف لائے یا نہیں؟ (اتنے میں چھوٹے میاں کو آتا دیکھ کر بیگم پکارتی ہیں۔) چھوٹے میاں۔ چھوٹے میاں ——ادھر آؤ۔

چھوٹے میاں۔ جی امی جان۔

بیگم۔ بیٹے اِدھر اُدھر مت جانا۔ میرا دل دھڑکتا ہے۔ آؤ تمہیں کالا ٹیکہ لگا دوں۔ کسی کی نظر نہ لگ جائے تمہیں۔

خان بہادر۔ (ہنستے ہوئے) ہاں، تمہارا بیٹا ہے بھی اتنا خوبصورت۔ کیوں؟

بیگم۔ اور نہیں تو کیا۔ شہزادہ ہے شہزادہ۔

(درمیان میں صدیقی کی آواز ابھرتی ہے)

شاہزادہ — چھوٹے میاں — صدیقی — شہزادہ — آج امّی زندہ ہوتیں تو دیکھتیں کہ ان کا شہزادہ اپنے شہزادے کے لئے دوا بھی نہیں خرید سکتا، جس کی بسم اللہ پر کئی ہزار روپے خرچ کئے گئے تھے۔ وہ... وہ...

(صدیقی کی آواز شہنائی اور ڈھولک کی آواز میں گم ہو جاتی ہے اور فلیش بیک کا سماں پھر ابھر آتا ہے۔) پس منظر میں قوالی کی آواز تیز ہوتی ہے اور ادھر صدیقی زور سے بول اٹھتا ہے — بند کر دو یہ قوالی — بند کر دو شادیانے —

(فلیش بیک ختم ہو جاتا ہے)

نشاط۔ (گھبرائی ہوئی آواز میں) ارے کیا ہو گیا آپ کو۔ کس پہ چلّا رہے تھے؟

صدیقی۔ (چونک کر) ایں — ہاں — اوہ — کچھ بھی نہیں۔ بس نہ جانے کیا سوچنے لگا تھا۔

نشاط۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ ماتھے پر پسینہ ہے اور آپ کچھ گھبرائے گھبرائے سے ہیں۔

صدیقی۔ نہیں — نہیں — وہی گڈو کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے دلّی

لے جانا ہے مکمل چیک آپ کے لئے ـــ اسے یوں ....

نشاط ـ آیئے کھانا کھا لیجئے۔

صدیقی ـــ بھوک نہیں ہے، مگر چلو۔

وقفہ

(صدیقی کا گھر۔ صدیقی باہر سے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ بے حد تھکا تھکا سا۔)

نشاط ـــ آگئے آپ ـــ روپیوں کا انتظام ہوگیا؟ آج گڈو کی طبیعت بہت خراب ہے۔

صدیقی ـ (گھبرا کر) کیا ہوا گڈو کو؟

نشاط ـ (گھبرائی ہوئی آواز میں) ہونا کیا ہے ـ دن بہ دن صحت گرتی جا رہی ہے اس کی ـ آج تو کچھ کھایا بھی نہیں رہا ـــ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ ہم لوگ دیر کر رہے ہیں ـ اسے فوراً دہلی لے جانا چاہئے ـ ورنہ اگر یہ واقعی کینسر ہے اور تیزی سے بڑھ گیا تو جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

صدیقی ـــ (تھکی تھکی آواز میں) ہاں جان کے لالے تو پڑنے ہی ہیں ـ (گہری سانس لیتا ہے۔)

نشاط ـ روپیوں کا انتظام ہوا؟

صدیقی ـ (بہت ہی مدھم آواز میں) ہاں ہوگیا۔

نشاط ـــ (خوش ہو کر) شکر ہے خدا کا ـ تو پھر ہم لوگ کل ہی دہلی چلیں ـ کیا کہہ رہے تھے احمد بھائی ـــ ان کا احسان ہے کہ انھوں نے وقت پر مدد کر دی ـ اب میرا گڈو بچ جائے گا ـــ (جذباتی آواز میں بولتی ہے)۔ میرا گڈو ضرور ٹھیک ـــ ہو جائے گا۔

صدیقی ـ احمد نے روپے نہیں دیئے۔

نشاط۔ (چونک کر) کیوں؟
صدیقی۔ (گہری سانس لیتے ہوئے) کہہ رہے تھے کہ انھوں نے سارے روپے اپنے مکان کی آرائش پر خرچ کر دیئے اس لئے ان کا ہاتھ خالی ہے۔
نشاط۔ لیکن ابھی تو آپ نے کہا کہ روپے کا انتظام ہو گیا!
صدیقی۔ (دھیمے سے) ہوں۔
نشاط۔ انتظام ہو گیا۔ احمد بھائی نے نہیں دیئے۔ پھر روپے کہاں سے آئے؟ کس نے دیئے؟

(صدیقی چپ رہتا ہے صرف گہری سانس لیتا ہے)

نشاط۔ آپ چپ کیوں ہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟ روپے کس نے دیئے آپ کو؟
صدیقی۔ (گہری سانس لیتے ہوئے، بھرائی آواز میں) دین محمد ٹھیکیدار نے۔
نشاط۔ (چیخ کر) کیا کہا؟ (تیز موسیقی کی آواز) کیا کہا؟ دین محمد ٹھیکیدار نے دیئے۔ دین محمد جس نے سیمنٹ کی بجائے ریت سے پل بنایا ہے اور آپ جس کی انکوائری کر رہے ہیں؟ (جذباتی انداز میں) آپ نے اس کی پیش کش قبول کر لی! اس سے روپے لے لئے؟ (روتی ہوئی آواز میں) آپ نے رشوت لے لی؟ یہ میں کیا سن رہی ہوں — آپ نے.......؟
صدیقی — (جذباتی آواز میں) تو کیا کرتا — گڈو کو گھٹ گھٹ کر مرنے دیتا؟ (روہانسی آواز میں) مجھ سے گڈو کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔
نشاط۔ (سپاٹ مگر سخت آواز میں) یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کے کردار پہ تو مجھ کو ناز تھا۔ آپ کی ایمانداری کے سہارے میں نے ہر تکلیف خوشی خوشی برداشت کر لی تھی — (تیز آواز میں) کہہ دیجئے کہ یہ جھوٹ ہے۔ کہہ دیجئے کہ جھوٹ ہے۔ جو کچھ آپ نے کہا وہ جھوٹ ہے (رونے لگتی ہے)۔
صدیقی۔ (رک رک کر) نشاط سنو تو — میں کیا کرتا — گڈو پر کینسر کا شبہ ہے۔

اس کا صحیح علاج نہ ہوا تو وہ مر جائے گا۔ بس اُسے گھُٹ گھُٹ کر مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔

نشاط۔ (چیخ کر) گڈو کو مر جانے دیجئے ــــ (پھر رُک رُک کر بولتی ہے) ــــ میں جانتی ہوں کہ اس کی بیماری پر کینسر کا اندیشہ ہے۔ گڈو مر بھی سکتا ہے۔ مگر (آواز تیز ہو جاتی ہے) میں یہ برداشت کر سکتی ہوں کہ گڈو کینسر سے مر جائے مگر یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ یہ دوسرا کینسر آپ کو لگ جائے۔ (روتے ہوئے بولتی ہے) میں گڈو کے جسم میں دوسرا کینسر نہیں لگنے دوں گی۔ میں آپ کو یہ کینسر نہیں لگنے دوں گی۔ واپس کر دیجئے۔ پھینک دیجئے۔ (چیختی ہے) پھینک دیجئے۔ لوٹا دیجئے۔ میں یہ دوسرا کینسر نہیں لگنے دوں گی ــــ نہیں۔ نہیں ــــ نہیں ــــ (چلاّتی ہے)

(ڈراپ سین)

دوپہر کے بعد

کردار

مرزا صاحب ــ ایک سخت گیر اور اصول پرست اعلیٰ افسر
بیگم صاحبہ ــ مرزا صاحب کی بیگم
شرفو ــــ مرزا صاحب کا بوڑھا ملازم
سلمیٰ ــــ مرزا صاحب کی بیٹی جو کالج میں پڑھتی ہے۔
مہتا صاحب ــ مرزا صاحب کے دوست جو ریٹائر ہو چکے ہیں۔

دیگر کردار ــ دفتر کے بڑے بابو، انڈر سکریٹری،
چپراسی وغیرہ۔

* * *

پس منظر ــ موجودہ دور کے اعلیٰ افسروں کا طبقہ۔

پہلا سین

[مرزا صاحب کا مکان - افرادِ خانہ کی آوازیں - ریڈیو کی ہلکی آواز]

بیگم صاحبہ — ارے شرفو! گھڑی دیکھی ہے - ۹ بجنے والے ہیں اور ابھی تک
ناشتہ تیار نہیں ہوا - صاحب تمہیں ہی کھا جائیں گے -

شرفو — کا کریں بیگم صاحب - پانچ بجے صبح سے اٹھ کر لگے ہوئے ہیں - اکیلے کون
کون کام کریں --- کسی کو بیڈ ٹی چاہیے تو کسی کو اسکول جانے کا ٹفن بکس -
کسی کو سادی چائے چاہیے تو کسی کو نیبو کی - ادھر انگیٹھی الگ میری بڑھیا
کی طرح روٹھی ہوئی ہے سسری --- ہم کا کریں - (بڑبڑاتا ہے)

بیگم صاحبہ — ارے کچھ کرو گے بھی یا بڑبڑاتے جاؤ گے - کام دھام تو کچھ کرنا نہیں
ہے بس اللہ میاں نے گز بھر کی زبان دے دی ہے - ۹ بجنے میں کُل ۲۰ منٹ
رہ گئے ہیں اور ابھی تک صاحب کا ناشتہ تیار نہیں ہوا - ٹھیک ۹ بجے ٹیبل پر
بیٹھ جائیں گے تب تم اپنی تقریر شروع کرنا - (پکارتی ہے) سلمیٰ او سلمیٰ ....

سلمیٰ — جی امّی آئی - (دور سے آواز آتی ہے - پھر نزدیک آکر) امّی مجھے پکارتی
تھیں ؟

بیگم صاحبہ — نئی بھائی تمہیں کیوں پکاروں گی ؟ پکار تو رہی تھی اپنی قسمت کو ---
ایک پل چین نہیں - کچھ باپ کی بھی فکر ہے ؟ انھیں آفس جانا ہے - ان کے
کپڑے ٹھیک کر دیئے یا نہیں ؟ ٹائی استری ہو کر آگئی یا نہیں ؟ (پھر شرفو سے)
ارے شرفو جوتے پر پالش ہوئی یا نہیں ؟ میرے اللہ میں کیا کروں ؟ اکیلی جان
اور صاحب بہادر ہیں کہ ہر کام گھڑی کے مطابق ہونا چاہیے - (سلمیٰ سے) سلمیٰ !

تم میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو ؟ جوان ہونے کو آ ئیں - خانہ داری سے کوئی دل چسپی ہی نہیں ہے -

سلمیٰ — امّی میرا امتحان ہے -

بیگم صاحبہ — چولھے میں جائے تمہارا امتحان - پہلے صاحب کی خبر گیری کروں یا تمہارے امتحان کی سوچوں - دو منٹ کی دیر ہوگئی تو سارا گھر سر پر اٹھالیں گے - ذرا ان کے کپڑے تو ٹھیک کردو - میں ناشتے کا انتظام کررہی ہوں -

شرفو — (بڑبڑاتا ہے) اری او انگیٹھی ، خدا کے واسطے جل جا - (پھر پنکھے سے انگیٹھی جلنے کی آواز) ارے آج ہی دھوکہ دینا تھا ؟ ای کوئلہ بھی ہمری کسمت کی طرح پتھر ہے -

بیگم صاحبہ — بس تم یونہی بڑبڑاتے رہو - ۹ بجنے والے ہیں - میں تو الگ ہو جاؤں گی - صاحب سے تم ہی نپٹ لینا -

شرفو — کرہی تو رہے ہیں بیگم صاحب ! بس آملیٹ بنانا رہ گیا ہے - پھر چائے - جلّ تو جلال تو (دیوار گھڑی سے ۹ بجنے کی آواز ، دوسری آواز پہ ہی شرفو بول پڑتا ہے -) مارے گئے - نو بج گئے - بیگم صاحب نو بج گئے -

بیگم صاحبہ — بس اب صاحب ٹیبل پہ آتے ہی ہوں گے - آج ہوئی آفت - (پھر بڑبڑاتے ہوئے) لوج ! ایسا بھی کوئی وقت کا پابند ہوتا ہے - گھڑی کے کانٹے کے ساتھ ناشتہ کھانا ، سونا ، اٹھنا - کچھ کہو تو مجھے ہی نصیحتیں ہونے لگتی ہیں - تم کیا جانو - گھر کی دیواروں میں بند ہو - میں دفتر جاتا ہوں - افسر ہوں - اگر میں ہی پابند نہ ہوا تو وغیرہ وغیرہ - (اتنے میں ڈرائنگ ہال سے آواز آتی ہے)

صاحب — شرفو ! اے او شرفو ! بیگم ! ارے بھائی کہاں ہیں سب لوگ ! نو بج کر دو منٹ ہوئے اور ابھی تک ٹیبل خالی ہے - (بگڑ کر) یہ کیا بدتمیزی

ہے ؟

بیگم صاحبہ۔ تھوڑی دیر ہو گئی۔ (گھبرائی ہوئی آواز میں) شرفو جلدی ناشتہ لگاؤ۔ صاحب کو دیر ہو رہی ہے۔

صاحب ۔ دیر ہو رہی ہے نہیں بلکہ دیر ہو چکی۔ (غصیلی آواز میں) نو بج کر تین منٹ ہو چکے۔ مجھے ناشتہ کرنا ہے، کپڑے تبدیل کرنے ہیں، ۹½ بجے آفس کے لئے روانہ ہونا ہے۔ آج آفس میں تین میٹنگ ہیں۔ میں کیا تم لوگوں کی طرح بے کار ہوں ـــــ وقت کی کوئی قیمت نہیں۔ میں کہتا ہوں.....

بیگم صاحبہ ۔ (بات کاٹتے ہوئے) لیجئے بس آ ہی گیا ناشتہ (ٹیبل پر پلیٹ رکھنے کی آواز) ۔ انگیٹھی نے دھوکا دیا اسی لئے دیر ہو گئی۔

شرفو ۔ (خود کلامی) واہ اللہ میاں..... ۴۵ سال سے چولھا پھنکوا رہے ہیں۔ مگر آج بھی انگیٹھی ایسی سمجھا دیتے ہیں کہ شرفو بگلا جاتا ہے۔ ہو گئی نا دیر۔ صاحب تو بیگم پر بگڑیں گے اور بیگم مجھ پر۔ ارے کاہے بڑھاپے میں ذلیل کراؤ ہو ہمکا۔ (اتنے میں دور سے بیگم کی آواز آتی ہے اور آیا صاحب! کہہ کر شرفو اندر جاتا ہے۔)

صاحب ۔ شرفو انڈے کا پوچ بنایا ہے تو نے یا اپنی تصویر بنائی ہے ؟

شرفو ۔ صاحب جلدی میں زردی ٹوٹ گئی۔ غلطی ہو گئی صاحب۔

صاحب ۔ لیکن کیوں ہو گئی غلطی..... اگر اسی طرح سب لوگ غلطیاں کرتے رہیں تو اس ملک کا کیا ہو گا ؟ .... تم پوچ بنانے میں غلطی کرو۔ میں فائلوں میں آرڈر دینے میں غلطی کروں اور..... اور.....

بیگم صاحبہ ۔ آپ نے بھی کہاں کی بات کہاں پہنچا دی ـــــ جلدی میں زردی بکھر گئی ۔ (شرفو سے) شرفو تم جاؤ اور چائے لے آؤ۔ دیکھو کچا پانی مت ڈال دینا۔ ٹھیک سے ابل جائے تب ہی ڈالنا۔

شرفو — ارے نہیں بیگم صاحب۔ پینتیس^۳۵ سال سے چائے بنا رہے ہیں۔ کیا اتنا بھی نہیں جانتے؟ ہم کرنل تھامس صاحب کے یہاں کام کرتے تھے۔

بیگم صاحبہ — (بات کاٹ کر) بس۔ بس۔ تم اپنے انگریز کرنل صاحب کی بات رہنے دو۔ ورنہ رات ہو جائے گی۔ جاؤ جلدی چائے لے کر آؤ۔

شرفو — (خود کلامی) ارے کرنل صاحب کو سب پاگل سمجھتے ہیں۔ جہاں کرنل صاحب کا نام لیؤ، سب کو برا لگتا ہے۔ ارے کرنل صاحب جیسا مالک اب کہاں ملے گا۔ صبح صبح گڈ مارننگ کہو تو کتنے خوش ہو جاتا رہیں۔ ارے انگریزوں کی بات ہی اور تھی — اور میم صاحب کیا پٹر پٹر انگریجی بولتی تھیں — اور کا مجال جو کبھی ڈانٹیں نوکر کو — اور ایک ای ہیں — دن رات شرفو کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں — اور ہم کو کا ہے۔ کچھ دن اور شرفو کا ستا لیں — پھر نہیں ملے گا شرفو جیسا کوئی۔ (اتنے میں بیگم کی آواز سنائی دیتی ہے)

بیگم صاحبہ — شرفو! ارے آگئی چائے؟

شرفو — (آہستہ سے) لاتے ہیں بھائی۔ شرفو کوئی مشین تھوڑے ہی ہے۔ (زور سے بولتا ہے) لا رہے ہیں صاحب۔

بیگم صاحبہ — لا رہے ہیں — لا رہے ہیں — دس منٹ تو ہو گئے — پھر صاحب بہادر کا غصہ چمکے گا۔ ان دونوں نوکر اور صاحب نے تو میرا دماغ خراب کر دیا ہے۔

صاحب — کیا کہہ رہی ہو؟

بیگم صاحبہ — (گھبرا کر) آپ کو کچھ تھوڑی ہی کہہ رہی ہوں — شرفو کو کہہ رہی تھی۔

صاحب — اسے تم شرفو کو کیا کہو گی؟ تم میں ایڈمنسٹریشن کی صلاحیت ہی

نہیں ہے۔ ایک نوکر پر تو قابو رکھ ہی نہیں سکتیں۔ میری طرح ننھو، شرفو کے علاوہ کو قابو میں رکھنا پڑتا تو لٹیا ہی ڈبو دیتیں۔

بیگم صاحبہ۔ بس، رہنے بھی دیجئے۔ گھر کی خانہ داری کرنی پڑے تو پتہ چلے کہ یہ کام کتنا......۔

صاحب۔ اچھا اس بحث کو چھوڑو۔ مجھے پانچ منٹ دیر ہو چکی اور اسے میک اپ کرنا ہے۔ جلدی کرو۔ میرے کپڑے کہاں ہیں؟ ٹائی کہاں ہے؟ جوتوں پر پالش ہوئی یا نہیں؟

سلمیٰ۔ پاپا۔ غلطی ہو گئی۔ آج پہن لیجئے۔ کل سے ٹھیک کر دوں گی۔

صاحب۔ کل سے۔ اچھا دیکھو، ڈرائیور تیار ہے یا نہیں؟ میں اب چلوں گا۔

(چند لمحوں کا وقفہ)

اچھا بیگم میں چلا۔ ۵ ½ بجے آؤں گا اور ۶ ½ بجے مجھے کلب کی میٹنگ میں جانا ہے۔ پھر ۸ ½ بجے اولڈ بوائز کا ڈنر ہے۔ ذرا میری سیاہ اچکن اور بجے پوری جوتے ٹھیک کرا دینا...... اور سلمیٰ بیٹا، تم ذرا دیکھ لینا۔ میری اچکن کے ساتھ والے موزے بھی ٹھیک کر دینا۔

سلمیٰ۔ بہت اچھا پاپا۔

صاحب۔ اچھا بیگم میں چلا، خدا حافظ۔

سلمیٰ۔ بائی۔ بائی۔ پاپا۔

شرفو۔ سلام صاب (پھر آہستہ سے) چل شرفو جان بچ گئی۔

(وقفہ)

بیگم صاحبہ۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) خدا کا شکر ہے۔ آج کا دن کٹا۔ پانچ بجے تک نجات ملی۔ صحیح کہا ہوتی ہے، قیامت ہوتی ہے۔ شرفو ذرا مجھے

چائے دیجئے۔ سر پھٹا جا رہا ہے۔

سلمیٰ — ممی پاپا بوڑھے ہو گئے مگر ابھی تک کس قدر اسمارٹ ہیں اور وقت کے کتنے پابند ہیں۔

بیگم صاحبہ — دو چار مہینوں کی بات ہے۔ ریٹائر ہو جانے دو — ساری اسمارٹنس چلی جائے گی۔ میں تو خوش ہوں گی جب یہ ریٹائر ہوں گے۔ پورے گھر کا کورٹ مارشل کئے رہتے ہیں — آفس گئے ہیں — اب آفس والوں کا کورٹ مارشل ہو رہا ہو گا۔

دوسرا سین

[صاحب کا دفتر۔ جہاں صاحب بڑے بابو پر بگڑ رہے ہیں]

صاحب — کہئے بڑے بابو! اس فائل کے Put up کرنے میں اتنی دیر کیوں ہوئی؟

بڑے بابو — یس سر۔

صاحب — یس سر، کیا مطلب؟ میری بات کا جواب نہیں دیا آپ نے؟

بڑے بابو — سر، وہ اسسٹنٹ ہے نا پانڈے۔ اسی نے دیر کر دی۔

صاحب — آپ نے Explanation کال کیا اس کا؟

بڑے بابو — یس سر۔ جی نہیں۔

صاحب — (غصے کی آواز میں) آپ دونوں کو Suspend کر دوں گا۔

بڑے بابو — یس سر — نو سر — جی سر۔

صاحب — آپ جا سکتے ہیں۔ انڈر سکریٹری صاحب کو بھیج دیجئے۔

(وقفہ - پھر دروازے پر ہلکی دستک کی آواز)

صاحب - Come in

انڈر سکریٹری - Good Morning Sir

صاحب - Good Morning لیکن آج آپ بیس منٹ دیر سے کیوں آئے؟

انڈر سکریٹری - وہ سر - ذرا ڈاکٹر کے یہاں چلا گیا تھا -

صاحب - وہاں آپ پہلے بھی جا سکتے تھے -

you Know I do not like This

اور آپ کا Staff پر Control بھی ٹھیک نہیں ہے -

I am not happy with you

انڈر سکریٹری - وہ بات یہ ہے سر.....

صاحب - میں فضول باتیں پسند نہیں کرتا - اب آپ جا سکتے ہیں -

(دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز - پھر گھنٹی کی آواز - ٹن - ٹن - ٹن)

چپراسی - جی حضور!

صاحب - یہ فائل ڈپٹی صاحب کو دے دو -

چپراسی - وہ آج چھٹی پر ہیں سر، دفتر نہیں آئے ہیں -

صاحب - کیوں نہیں آئے ہیں -

چپراسی - صاحب! ان کی میم صاحب بیمار ہیں -

صاحب - (غصے میں) پتہ نہیں - یہ لوگ نوکری کیوں کرتے ہیں؟ بیوی بیمار ہیں تو دفتر نہیں آئے - کبھی بچہ بیمار ہے - کبھی خود بیمار ہیں ...... تم جا سکتے ہو - (پھر روک کر) سُنو -

چپراسی - جی حضور -

صاحب - دیکھو! باہر جو لوگ ملنے کے لئے بیٹھے ہیں، ان سے کہہ دو میں آج کسی سے

نہیں ملوں گا۔ میں ضروری کام میں مشغول ہوں۔ پرسوں ۳ ½ بجے ملوں گا۔
پی۔ اے صاحب سے کہہ دو آج کے سارے اپائنٹمنٹ کینسل کر دیں۔ (پھر
خود بولتا ہے) لوگوں کو سوائے ملنے کے کوئی کام نہیں ہے۔
چپراسی۔ بہت اچھا حضور۔

(دروازہ بند ہونے کی آواز)

تیسرا سین

[صاحب کا گھر۔ شام کا وقت]

صاحب۔ بیگم! بیگم — ارے کہاں ہو؟
بیگم صاحبہ۔ اچھا آپ آ گئے آفس سے
صاحب۔ ہاں بھئی آفس سے اب ہمیشہ کے لئے آ گیا۔ آج ریٹائر ہو گیا۔ چارج
دے کر آ رہا ہوں۔ ۳۵ سال کے چکر سے آج نجات ملی۔ اب جی بھر کر آرام
کروں گا۔ کس قدر ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔
بیگم صاحبہ۔ ہاں۔ ہاں — کیوں نہیں۔ اب آپ کی عمر بھی تو آرام کرنے کی
ہے۔ خیر سے ارشد کی نوکری ہو چکی ہے۔ گھر میں بہو آ چکی۔ سلمیٰ کی شادی
ہو چکی۔ اللہ نے سب ہی تو ارمان پورے کر دیئے۔ (پھر پکارتی ہیں) شرفو....
شرفو.... شرفو۔
شرفو۔ آیا بیگم صاحب — جی بیگم صاحب۔
بیگم صاحبہ۔ دیکھو صاحب آ گئے اور اب آج سے ریٹائر ہو گئے۔ کتنے
خوش ہیں تمہارے صاحب۔

شرفو - ہاں صاحب مبارک ہو آرام - مگر ہم کو کام کرتے کرتے ۴۵ سال ہو گئے۔
ہم کو بھی اب ریٹائر کر دیجئے مالک -

صاحب - (ہنستے ہوئے) ارے شرفو! تم کو کیسے ریٹائر کر دوں گا - تم تو ہماری بیگم
کی طرح ہماری زندگی بھر کے ساتھی ہو - (ہنستے ہیں)

شرفو - (ٹھنڈی سانس لے کر) نہیں صاحب! اب ہمرے ہاتھ پیر بھی جواب دینے
لگے ہیں - مگر ہم کو تو موت ہی ریٹائر کرے گی صاحب - ہم لوگوں کی قسمت میں ایک
ہی بار ریٹائر ہونا لکھا ہے - (ہنستا ہے) اچھا ہم چائے بنا لیں - (چلا جاتا ہے)

صاحب - بے چارا شرفو! واقعی ۱۵ سال کی عمر سے یہ کام کر رہا ہے مگر اس کی
قسمت میں آرام نہیں ہے - اچھا بیگم میں کپڑے تبدیل کر لوں -

بیگم صاحبہ - ٹھیک ہے -

چوتھا سین

[صاحب کا گھر - دن کا وقت]

صاحب - شرفو! ارے او شرفو!

شرفو - جی صاحب

صاحب - ارے ذرا ٹیلی فون تو لے آنا - میں ذرا مہتا صاحب سے بات کروں گا -

شرفو - لیکن صاحب ٹیلی فون تو کٹ گیا - کل آفس والے لے گئے -

صاحب - ارے ہاں (دھیرے سے) آفس کا فون (Phone) تھا - اچھا دیکھو
رام بلاس سے کہہ دو کہ مہتا صاحب سے کتاب مانگ کر لے آئے -

شرفو - (حیرت سے) حضور! رام بلاس تو اب نئے صاحب کی ڈیوٹی پر چلا گیا -

کل ہی تو کہنے آیا تھا کہ اب وہ نہیں آئے گا۔

صاحب ۔ (جھلائے ہوئے انداز میں) ارے ہاں یاد آیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد چپراسی بھی تو چلا گیا۔

(پھر غصّے میں) مگر تم کھڑے کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ چائے کیوں نہیں لاتے؟ کتنے بج رہے ہیں۔ (پھر چلّاتا ہے) بیگم ـــ بیگم۔

بیگم صاحبہ ۔ جی کیا بات ہے ـــ کیوں چلّا رہے ہیں؟

صاحب ۔ کیوں چلّا رہے ہیں! (حیرت سے) تمہارا لہجہ اس قدر خشک کیوں ہے؟ ۹ ½ بج گئے۔ ابھی تک ناشتہ میز پر نہیں لگا اور تم کہہ رہی ہو کہ چلّا کیوں رہے ہیں؟

بیگم صاحبہ ۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔ ۹ ½ بج گئے تو کون سی آفت آگئی؟ اب آپ کو کون سا آفس جانا ہے۔ (موسیقی)

صاحب ۔ (آہستہ لہجے میں) ہاں، اب کون سا مجھے آفس جانا ہے۔ (پھر تیز آواز میں) آفس نہیں جانا تو کیا ہوا ـــ کیا ناشتہ بھی نہیں کرنا ہے؟ میں ریٹائر ہو گیا تو کیا اب ......

بیگم صاحبہ ۔ (بات کاٹتے ہوئے) آخر میں کیا کروں۔ ارشد کو دفتر جانا ہے۔ پہلے اسے ناشتہ دوں یا آپ کو؟ ادھر بہو بیگم کی طبیعت خراب ہے۔ پہلے پوتے کو دیکھوں یا آپ کی فکر کروں؟

صاحب ۔ (اداس لہجے میں) ہاں آں ـــ ارشد کو دفتر جانا ہے نا ـــ ٹھیک ہی تو ہے۔

شرفو ۔ (بڑبڑاتے ہوئے خود سے) ارے واہ ری دنیا۔ یہی صاحب کے لئے روز ہنگامہ ہوتے رہے اور اب یہی ریٹائر کا ہو گئے ہیں کہ سب کی نگاہ بدل گئی ـــ چل شرفو کام کر ـــ نہیں تو تم کو بھی سب ریٹائر کر دیں گے۔

(وقفہ)

صاحب ۔ سلمیٰ ! سلمیٰ !! (پکارتا ہے)

سلمیٰ ۔ (بڑبڑاتی ہے) اُف ! پاپا تو ریٹائر ہونے کے بعد ہر وقت چلّاتے ہی رہتے ہیں۔

صاحب ۔ (پھر پکارتے ہیں) سلمیٰ ! سلمیٰ !!

سلمیٰ ۔ جی پاپا ۔

صاحب ۔ کتنی دیر سے پکار رہا ہوں تمہیں اور تم سنتی ہی نہیں ہو ۔

سلمیٰ ۔ (جھلّائی ہوئی آواز میں) آ تو رہی تھی ۔ آخر امتحان کی تیاری کر رہی ہوں ۔ بے کار تھوڑی بیٹھی تھی ۔ (موسیقی)

صاحب ۔ (دھیرے سے) بے کار تھوڑی ہی بیٹھی تھی .... بے کار تو میں بیٹھا ہوں ۔
(کھانستا ہے لگاتار دو تین مرتبہ)

سلمیٰ ۔ آپ نے مجھے کس لئے بلایا تھا ؟

صاحب ۔ ارے ہاں ۔ ذرا میرے کپڑے ٹھیک کر دو ۔ مجھے پنشن کے کاغذات لانے جانا ہے ۔

سلمیٰ ۔ پاپا میرے کالج کا وقت ہو رہا ہے ۔ دیر ہو جائے گی ۔ میں ششر فو کو کہتی ہوں ۔ وہ ٹھیک کر دے گا ۔ پلیز پاپا ۔

صاحب ۔ (دھیرے سے) کالج میں دیر ہو جائے گی ۔ (زور سے) ہاں ۔ ہاں ۔ ٹھیک تو ہے ۔ میں خود ٹھیک کر لوں گا ۔ کوئی بات نہیں ہے ۔

(سلمیٰ چلی جاتی ہے ۔ وقفہ)

(مکان سے باہر پکارنے کی آواز آتی ہے ۔ مرزا صاحب ! مرزا صاحب !)

صاحب ۔ ارے مہتا صاحب ! آیئے ۔ آیئے ۔ کب سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں ۔ تشریف لایئے ۔

مہتا صاحب۔ بھئی میں پہلے ہی آجاتا مگر ناشتے میں دیر ہو گئی۔

صاحب۔ ہاں صاحب ضرور ہو گئی ہو گی۔ جب سے ہم لوگ ریٹائر ہوئے ہیں، ناشتے میں دیر ہو ہی جایا کرتی ہے۔ (دونوں ہنستے ہیں)

صاحب۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) مہتا صاحب! یہ ریٹائرمنٹ کی زندگی بھی بہت خراب ہے۔ نوکری تھی تو کام سے پریشان رہتا تھا اور سوچتا تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد خوب آرام کروں گا ــــ اور اب کوئی کام نہیں ہے تو زیادہ بے چینی رہتی ہے۔

مہتا صاحب۔ مرزا صاحب! کسی حال میں چین نہیں۔ دراصل ریٹائرمنٹ کے بعد آدمی مشین کے اُس گھسے ہوئے پُرزے کی طرح ہو جاتا ہے جسے مشین سے الگ کر دیا گیا ہو۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) اب اس زنگ آلود پُرزے کی مشین کو ضرورت نہیں مرزا صاحب۔

صاحب۔ ٹھیک ہی کہتے ہیں مہتا صاحب۔ سب کچھ بدلا بدلا سا لگتا ہے۔ اپنے لوگ، در و دیوار سب کچھ بدل گئے ہیں۔ باہر کے ڈرائنگ روم میں ارشد کے دوست بیٹھے رہتے ہیں۔ بیگم کو پوتے پوتیوں سے فرصت نہیں۔ بچے میرے پاس بیٹھنے میں گھبراتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے ریٹائر ہو کر میں نے سب کچھ کھو دیا ہے۔

مہتا صاحب۔ مرزا صاحب! ابھی تو چند دن ہی ہوئے آپ کو ریٹائر ہوئے۔ میں تو دو سال سے اسی طرح جی رہا ہوں۔ مگر آپ کو adjust کرنا چاہیئے۔ ورنہ صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔

صاحب۔ ہاں مہتا صاحب۔ آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ ارے جب جوانی ہی نہیں رہی تو بڑھاپا بھی نہیں رہے گا۔ اچھا ذرا ٹھہریئے میں چائے کے لیے کہہ دوں۔ (جاتا ہے اور آواز دیتا ہے)

صاحب - بیگم ! بیگم !! ذرا چائے بھیج دو باہر۔ مہتا صاحب آئے ہیں۔

بیگم صاحبہ - (بڑبڑاتی ہیں) دن بھر کا یہی چکر ہے - نہ انھیں کوئی کام ہے نہ مہتا صاحب کو - بس بیس بار چائے بناؤ - بھلے یہ دفتر میں رہتے تھے - مجھے دن میں تو سکون ملتا تھا -

صاحب - (بیگم صاحبہ سے) تم مجھ سے کچھ کہہ رہی ہو ؟

بیگم صاحبہ - میں یہ کہہ رہی ہوں کہ ارشد آفس گئے ہیں، سلمیٰ کالج گئی ہے اور میں بہو بیگم کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں - اب مہتا صاحب سے بے کار کی گفتگو چھوڑیئے اور خود ذرا بچوں کو دیکھئے ---- گھر میں اور کوئی نہیں ہے -

صاحب - (چونک کر) میں بچوں کو دیکھوں ؟

بیگم - بچوں کو دیکھنا کوئی گناہ تو نہیں ہے - آخر آپ بے کار ہی تو بیٹھے ہیں - چائے کے لئے شرفو سے کہہ دیجئے گا --- اور ذرا سبزی لانے کو بھی کہہ دیجئے گا - مجھے دیر ہو رہی ہے - پھر ڈاکٹر صاحب نہیں ملیں گے -

(جاتی ہے -)

صاحب - (تاسف بھرے لہجے میں) ٹھیک ہی تو ہے - مجھے کام ہی کیا ہے - بچوں کو دیکھوں، سبزی منگواؤں - (پھر چلا جاتا ہے) شرفو ! شرفو !! (کھانسی آ جاتی ہے)

شرفو - (کھانستا ہوا ہانپتا ہوا آتا ہے) جی صاحب ! آج طبیعت ٹھیک نہیں مالک بخار ہے اور بدن ٹوٹ رہا ہے -

صاحب - اوہ اچھا - تم نے دوا کیوں نہیں لی - تم چھوڑ دو --- میں خود چائے بنا لوں گا -

شرفو - (زور سے) نہیں، نہیں --- ایسا کیسے ہو سکتا ہے - میں چائے بنا دیتا ہوں

مالک۔ میرے جیتے جی آپ کیسے چائے بنائیں گے ۔۔ نہیں، نہیں۔

صاحب ۔ (بڑی ہمدردی سے) شرفو تم بہت کمزور ہو گئے ہو۔ بوڑھے ہو گئے ہو۔ تم نے ایک دن مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں بھی ریٹائر کر دوں ۔ واقعی تمہیں بھی آرام کی ضرورت ہے ۔ اب تم بھی ریٹائر ہو جاؤ شرفو۔ آرام کرو۔ تمہیں پہلے کی طرح کھانا روپیہ سب ملتا رہے گا۔ (شرفو کو جیسے بجلی لگ جاتی ہے)

شرفو ۔ نہیں ۔ نہیں ۔۔ مالک میں ریٹائر نہیں کروں گا ۔ نہیں میں ریٹائر نہیں کروں گا ۔۔ نہیں میں ریٹائر نہیں کروں گا ۔ (موسیقی ۔۔ موسیقی)

(ڈراپ سین)

انگلیاں فگار اپنی

کردار

اختر علی اختر — مشہور شاعر
سُلطانہ — اختر علی اختر کی بیوی
صدیقی — اختر کا پرانا دوست جو ایک اعلیٰ افسر ہے۔
کھنّہ صاحب — صدیقی کے دوست۔ انکم ٹیکس کے اعلیٰ افسر۔
سیٹھ دھنامل — صدیقی کے دوست۔ سرمایہ دار
پروفیسر عبد الغفور غفاری — اُردو کے ناقد اور بھنڈہ سرائے کالج میں لکچرر۔
شرفو کاکا — اختر کا بوڑھا وفادار نوکر۔

دیگر کردار — دودھ والا، بچے، اناؤنسر، سامعین وغیرہ۔

پس منظر — موجودہ دور

پہلا سین

[مشاعرہ کا سماں - ہال میں لوگوں کی مختلف آوازیں -
مائیک کی آواز گونجتی ہے -]

اناؤنسر - حضرات! یہ آل انڈیا مشاعرہ اپنے شباب پر پہنچ چکا ہے - ہمیں
بے حد مسرت ہے کہ اس محفلِ سخن میں اُردو کے مایہ ناز شاعر جن کی شاعری اُردو
غزل کی آبرو ہے، تشریف فرما ہیں - میری مراد جناب اختر علی اختؔر سے ہے -

(تالیوں کی آواز)

حضرات! اِس بلند پایہ شاعر کا استقبال یقیناً اِتنی ہی گرم جوشی سے ہونا
چاہیئے تھا - اختر صاحب کافی دنوں سے بیمار ہیں مگر ہماری گزارش پر انھوں نے
یہاں آنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے - ہم دست بستہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ تشریف
لائیں اور سامعین کو اپنی سحر انگیز شاعری سے لطف اندوز کریں -

(پھر تالیوں کی آواز)

اختر علی اختر - صاحبو! عزت افزائی کا شکریہ — (نقاہت سے کھانستا ہے)
میں کافی دنوں سے بیماری کے باعث اِس قابل بھی نہیں رہا کہ مشاعروں میں شریک
ہو سکوں - آپ کی محبت مجھے کھینچ لائی ہے - مگر میں دو چار اشعار سے زیادہ
پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا - سمع خراشی کی اجازت چاہتا ہوں -

(ارشاد ...... ارشاد ...... عطا ہو — مختلف آوازیں)

اختر علی اختر - (ترنم سے پڑھتے ہیں)

کبھی لہو مرے داغِ جگر کے کام آئے   کبھی تجلیِ شمس و قمر کے کام آئے

(واہ واہ کا شور..... مکرر ارشاد ہو..... مکرر ارشاد ہو ــ مختلف آوازیں)

اختر علی اختر ــ (دوسرا شعر پڑھتے ہیں)

سوا ہے عشق کی منزل حدودِ گردوں سے — یہ پائے شوق تو عزمِ سفر کے کام آئے

(واہ..... واہ..... واہ..... واہ..... واہ ــــ آوازیں)

اختر علی اختر ــ حضرات! آخری شعر پیشِ خدمت ہے۔

کھلا رہے ہیں تری راہ میں گل و لالہ — یہ آبلے بھی تری رہگذر کے کام آئے

(کھانستا ہے)

(سارا ہال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھتا ہے ــــ واہ واہ کی صدا سے فضا گونج اٹھتی ہے۔)

اناؤنسر ــ حضرات! نازشِ وطن، آبروئے سخن حضرت اختر علی اختر کی اس مرصّع غزل کے بعد مشاعرہ ختم کیا جاتا ہے۔

(تالیاں ــــ)

(ہال سے باہر موٹر گاڑیوں اور لوگوں کے واپس جانے کی آوازیں..... بھیڑ بھاڑ ــ)

کچھ آوازیں ــ یار جلدی چلو..... بلا کی سردی ہے۔

دوسری آواز ــ رات کے بارہ بج چکے۔

تیسری آواز ــ اب تو کوئی سواری بھی نہیں ملے گی۔

چوتھی آواز ــ اختر صاحب..... اختر صاحب.....! (اختر کو کوئی پکارتا ہے)

اختر ــ (نقاہت سے) جی! آپ نے مجھے آواز دی۔

صدیقی ــ کیوں بھئی مجھے نہیں پہچانا آپ نے؟

اختر ــ ارے صدیقی! بہت خوب ــ تم کہاں آپہنچے۔

صدیقی ــ (ہنستے ہوئے) واہ بھئی! تمہیں نہیں معلوم کہ یہاں سکریٹریٹ میں میں

جوائنٹ سکریٹری ہوکر آیا ہوں - بچپن کے دوست کو یوں بھول جاتے ہو!....
شاعرِ اعظم ہو گئے ہو نا؟......

اختر - ارے بھئی! ہم غریبوں کو اتنی جرأت کہاں کہ کسی کو بھول بھی سکیں - مگر کالج کے بعد آج یوں اچانک ملنے پر حیرت اور خوشی دونوں سے دوچار ہو گیا ہوں -

صدیقی - بھئی تمہاری شاعری میں لطف آگیا ہے - مجھے فخر ہے کہ میرا دوست اتنا بڑا شاعر ہے -

اختر - محبت ہے تمہاری، ورنہ من آنم کہ من دانم - (کھانستا ہے)

صدیقی - تمہاری صحت بہت گر چکی ہے - اس بلا کی سردی میں بھی تم نے چسٹر وغیرہ نہیں پہن رکھا ہے - بیمار پڑنے کا ارادہ ہے کیا؟

اختر - (ہنستا ہے) اب تو بیماری بھی مجھ سے گھبراتی ہے ..... میاں وہ بھی پاس نہیں آتی -

صدیقی - بھئی یہ شاعری چھوڑو ..... بتاؤ کہ تم رہتے کہاں ہو؟

اختر - میں ــــ پرانے شہر میں حکیم جی کی حویلی کے پیچھے رہتا ہوں -

صدیقی - وہ تو کافی دور ہے یہاں سے - اتنی رات کو جاؤ گے کیسے؟ مشاعرہ والوں نے سواری کا انتظام نہیں کیا ہے کیا؟

اختر - (ہنستے ہوئے) مشاعرہ میں لے جانے کے لئے کار گئی تھی ــــ واپسی میں شاعروں کو عموماً پیدل ہی جانا پڑتا ہے - (ہنستا ہوا) شاعرِ اعظم جو ٹھہرا -

صدیقی - میں سول لائنز میں رہتا ہوں - ایسا کرو اگلے اتوار کو شام یہ آؤ - کچھ لوگوں کو چائے پر بلایا ہے - دیکھو ضرور آنا تمہاری غزل سننے کے لئے ہم بے چین رہیں گے - کہو تو گاڑی بھیج دوں گا -

اختر - نہیں، بس شکریہ - گاڑی کی کوئی ضرورت نہیں .... آجاؤں گا -

صدیقی - اچھا تو اب میں چلا - کار میں بیگم بیٹھی ہوئی میرا انتظار کر رہی ہوں گی - (خدا حافظ)

اختر - خدا حافظ (وقفہ) ..... "خود کلامی" ــــ سردی بھی کس قدر تیز ہے ــــ کیسا

سنّاٹا ہے اور پانچ میل پیدل چل کر جاتا ہے۔ مشاعرہ والوں سے جو روپے دیئے تھے وہ تو پہلے ہی ختم ہو چکے۔ اب تو سواری کے لئے بھی پیسہ نہیں۔ چلو اختر، شاعرِ اعظم، آبروئے سخن، "تازشِ وطن"۔ کس قدر خوب صورت الفاظ ہیں۔ انہی الفاظ کا زہر پی کر شاعری کئے جاؤ اور ٹھٹھرتی ہوئی راتوں میں پیدل چلتے رہو۔

(ٹھنڈی سانس لیتا ہے) "اس شہرِ بے چراغ میں جلنے سے فائدہ"

[وقفہ۔ پس منظر میں رات کا سنّاٹا اور کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں ابھرتی ہیں]

دوسرا سین

[اختر علی کا گھر۔ رات کا سنّاٹا۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز۔]

(اختر علی کی بیوی سلطانہ کی آواز مکان کے اندر سے آتی ہے۔)

سلطانہ۔ (نیند سے بھری آواز) کون ....؟

اختر۔ میں ہوں تمہاری بدنصیبی ...... اور کون دستک دے گا؟

سلطانہ۔ (دروازہ کھولتے ہوئے) رات کے دو بج رہے ہیں۔ اب مشاعرہ سے فرصت ملی ہے۔ اللہ کیسے غضب کی سردی ہے۔

(اختر علی کو کھانسی آتی ہے۔)

اندر تو آ جایئے ...... ارے کیا آپ اتنی دور پیدل ہی چل کر آئے ہیں۔ مشاعرہ والوں نے گاڑی سے نہیں پہنچایا۔ کیا حالت ہو رہی ہے آپ کی ــ مشاعرے بازی میں ہی دشمنوں کی جان جائے گی۔

اختر۔ مشاعرے کے سو روپے وہ پہلے ہی دے گئے تھے۔ کار سے لینے آئے تھے

اس لئے کہ ہیں کہیں دھوکا نہ دے دوں - شاعروں کی قوم بھی تو بدنام ہو گئی ہے
بھائی - مشاعرہ کامیاب ہو گیا - پھر واپسی کی کیوں فکر ہونے لگی انہیں -

سلطانہ - ارے واہ! واپس پہنچانے کا بھی تو وعدہ کیا تھا بزم ادب والوں نے -
کم بختوں کو شرم بھی نہ آئی کہ بیمار گو لیوں ......

اختر - ارے بھئی کو ستی کیوں ہو انہیں - بے چارے بڑے مخلص اور ادب نواز لوگ ہیں -

سلطانہ - بھاڑ میں جائے ادب نوازی اور ایسا خلوص -

اختر - (ہنستا ہے) واللہ تم بھی شاعری کرنے لگی ہو - جانتی ہو آج کے مشاعرے میں مجھے خوب داد ملی - شاعر اعظم، آبروئے سخن، نازش وطن جیسے القاب سے مجھے نوازا گیا ہے ــــ اور کیا چاہئے مجھے ــــ شاعر کو داد کے سوا اور کیا چاہئے - غالب نے تو "نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا" کہہ کر مسئلہ ہی طے کر دیا ــــ اب شکایت کیسی؟

سلطانہ - بُرا ہو شاعری کا - نہ جانے کب اس موئی سے آپ کا پیچھا چھوٹے گا ــــ کہتے کہتے میں تھک گئی کہ چھوڑئیے اس شاعری واعری کو اور کچھ کام کیجئے - پتہ بھی ہے .... منّی کل سے بخار میں تپ رہی ہے ..... گڈّو یرقان میں مبتلا ہے اور یہ معصوم بغیر دوا کے گھلے جا رہے ہیں (روہانسی ہو جاتی ہے) ــــ میرے مولا ..... کیا ساری پریشانیاں ہمارے لئے ہی چھوڑ رکھی تھیں ..... میں کروں بھی کیا ــــ ؟

اختر - سلطانہ! (پیار سے مغلوب ہو کر) میں تمہارا درد سمجھتا ہوں - واقعی میں نے تمہیں کبھی سُکھ نہیں دیا - میں بھی کس قدر ظالم ہوں - تم ٹھیک کہتی ہو - شاعری چھوڑنی ہی چاہئے ــــ مگر کروں کیا؟

سلطانہ - کچھ کیجئے ــــ پان کی دوکان ہی کھول لیجئے - کم از کم پانچ روپے روز بھی لے تو دو وقت کی روٹی تو چلے گی - مجھے اپنی فکر نہیں - مگر بچوں کی بلک ــــ

میری کوکھ میں آگ جل اٹھتی ہے۔ وہ تو بھلا کرے خدا اشرفو کا کہ بڑھاپے میں ہمارا بیمار نار رکشہ کھینچ کر کچھ لے آتا ہے۔ ورنہ اخبار سے جو ڈیڑھ سو روپے آپ کو ملتے ہیں اُس سے تو پندرہ دن کا خرچہ بھی نہیں چل سکتا۔

اختر۔ ہاں بیگم! تم ٹھیک کہتی ہو۔ اشرفو ہمارا خاندانی نوکر نہیں، ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ ہے۔ مجھے گود کھلایا ہے اس نے ۔۔۔ اور آج تک نمک کا حق ادا کر رہا ہے۔ اس کا بھی اس بھری دنیا میں ہمارے سوا کوئی نہیں۔ گھر کا سارا کام کرتا ہے، رکشہ چلا کر کچھ پیسے کماتا ہے اور اُسے بھی خانہ داری پر ہی خرچ کر دیتا ہے۔

سلطانہ۔ اچھا اب رات ختم ہو رہی ہے۔ صبح ہونے کو ہے۔ کھانا کھا کر سو جائیے۔ میں کمبل ڈال دیتی ہوں آپ پر۔

اختر۔ کیا فائدہ بیگم ۔۔۔ اِس کمبل کی عمر مجھ سے زیادہ ہی ہے۔ میری ہی طرح اب اس میں بھی کوئی حرارت باقی نہیں رہی۔

سلطانہ۔ اچھا چلئے ..... جلدی سے کھانا کھا لیجئے۔

اختر۔ کھانے کی خواہش تو نہیں بیگم ...... ویسے بھی مشاعرے میں اتنی داد ملی کہ جی بھر گیا ۔۔ مگر تم نے تو کھا لیا نا؟

سلطانہ۔ میری فکر نہ کیجئے۔ آپ کچھ کھا لیجئے۔

اختر۔ تمہاری فکر نہ کروں! بہت خوب ۔۔ تیرے ہی سہارے تو جی رہا ہوں پگلی۔ ورنہ اس دنیا میں اور رکھا ہی کیا ہے۔ تم نے کھانا کھایا ہے کہ نہیں۔

سلطانہ۔ کیا آج تک آپ کے بغیر میں نے کھانا کھایا ہے کبھی؟

اختر۔ یہ ظلم ہے۔ تم خود پر ظلم کرتی ہو۔ مشاعرہ میں میں نے چائے پی تھی، پان کھائے تھے، سگریٹ پی تھی اور تم ..... تم میرا انتظار کرتی رہیں ۔۔ لاؤ ..... لاؤ۔ ہم دونوں ساتھ کھانا کھائیں گے۔

[اذان کی آواز آتی ہے ...... اللہُ اکبر .... اللہُ اکبر ۔]

اختر۔ ہائے کم بخت کو کیسے میں خدا یاد آیا۔ لو صبح ہو گئی۔۔۔ اب تو سحری کا بھی
وقت نہیں رہا۔

(شرفو کے کھانسنے کی آواز آتی ہے۔)

شرفو بھی جاگ گیا.... کس قدر کھانسی ہے اُسے۔ اس کی بھی دوا کل لادوں گا۔ مگر۔۔ مگر نہیں۔۔ کل کہاں سے لاؤں گا۔ سمبار کو اخبار سے پیسے ملنے کی
اُمید ہے..... تب ضرور لادوں گا۔

شرفو۔ (کھانسی کے ساتھ خود کلامی کی ملی جلی آواز) سبحان اللہ ..... اللہ اکبر.....
ہائے رے کمر۔ صبح ہو گئی ..... اُٹھو شرفو..... کب تک سویا رہے گا.....
ہائے رے جندگی ...... بسسری سانس بھی نہ چھوڑنے ہے۔ (پھر شرفو کے
گانے کی آواز ابھرتی ہے۔)

میرے مولا بلالو مدینے مجھے، میرے مولا بلالو مدینے مجھے

اختر۔ بے چارہ شرفو! نہ جانے کب مولا اسے مدینہ بلائیں گے۔ شاید اسی آرزو
کے سہارے زندہ ہے بے چارہ اور جانتا نہیں کہ آرزوئیں ہی سب سے بڑی
قاتل ہیں۔

(باہر سے دودھ والے کے پکارنے کی آواز آتی ہے۔)

دودھ والا۔ اے سر پھو کا کا! ارے بڑھاپا میں کتنا سووت ہو کا کا .... دودھ
لے جاؤ۔

شرفو۔ کون ..... گوپال .....؟ آتے ہیں بھیا ...... جرا دیگچی دھولیں تو آتے
ہیں۔۔

دودھ والا۔ جرا جلدی ہے کا کا۔

شرفو۔ (چلّاکر) ارے کتنا ہلّا کرت ہو بھیا ..... پانی لے کر آئے ہو اور دودھ
دودھ چلّات ہو۔۔ ابھی آتے ہیں۔

(کواڑ کھولنے کی آواز — شرفو باہر آتا ہے)

گوپال — کا حال ہے کاکا.....؟

شرفو — کا کہیں بھیا کمر میں بہت درد ہے کل سے — چورنی سما گئی ہے سسری۔ جان بجا سے میں پڑ گئی ہے۔

گوپال — ارے کاکا...... چورنی سے کاہے گھبرات ہو — بڑھاپا میں سسری سے کاہے دل لگائے لیو — (ہنستا ہے)

شرفو — ارے ہیاں جان جات ہے اور تمکا مجاک سوجھت ہے.... آئے، ہائے۔ (کراہتا ہے۔)

گوپال — کاکا — میری مانو..... کواڑ سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ اور سات بار کہو۔
تم ماں می ہم بھگنا..... تم ماں می ہم بھگنا
پھر دیکھو..... ایک گھڑی میں ٹھیک ہووت ہے کہ ناہیں۔

شرفو — (ہنستا ہے) ارے بھیا — ماں می کا..... کیا پو چھت ہو۔ ہم تو سسری کو نانی دادی بھی کہہ کو تیار ہیں..... مگر ای جان تو چھوڑے سالی۔ لاؤ بھیا.... دودھ — گرم کرکے رکھنا ہے — ابھی گڈو منی بٹیا اٹھ کر روے لگیں گی تو سر بھوکا کھیر نہیں۔

گوپال — کتنا دیں کاکا؟

شرفو — آدھا سیر دے دو۔

گوپال — پہلے کا پیسہ بھی نہیں ملا ہے کاکا۔

شرفو — ہاں گوپال بھیا..... ہاں..... سب دے دیں گے.... جرا چورنی بھاگ جائے۔ رکسہ چلا کر تمہارا سب حساب چکتا کر دیں گے۔

گوپال — مگر کاکا.... ہم بھی گریب ہیں۔ کب تک اُدھار دیں گے۔

شرفو — ہاں بھیا.... مگر گریب کا دکھ بھی تو گریب ہی سمجھے ہے۔ رکسہ چلانے کے کابل

ہو جائیں --- پھر تمہیں سب دے دیں گے ..... آگھر بچے کو تو بھوکا نہیں

رکھو گے۔

گوپال — نہیں نہیں ..... ایسا کاہے ہوئے .... دودھ تو لے لو۔ مگر جرا پیسے کا

کھیال رکھا کرو سرپیو کا کا ---

شرفو — ہاں بھیّا جرور ..... مگر تم جرا دودھ میں پانی کم ملایا کرو۔

گوپال — نہیں کاکا ..... کا بات کرت ہو --- بڑھاپا میں آنکھ کمجور ہوگئی ہے کاکا۔

شرفو — ہاں بھیّا --- اب تو آنکھ کمجور ہو ہی گئی ہے .... اچھا پھر ملیں گے۔ ہم کا بھی بہت

کام ہے --- چھوٹے بابو مساعرے میں کل گئے رہے کتے --- نہ جانے کس گھڑی

تھک کے آئے رہے ہوں گے ..... پھرتی سے چائے بنا کر دے دیں انھیں۔

(پھر شرفو کے بڑبڑانے کی آواز آتی ہے)

ہائے رے بڑھاپا! .... یہ جوڑنی بھی ایسی کمر میں گھُسی ہے کہ کچھ کام بھی نہیں کر سکت ہیں۔

بھیّا ابھی اٹھیں تو ہنگامہ ہی ہو جائے۔

(سلطانہ باورچی خانہ میں آتی ہے)

سلطانہ — سلام کاکا .... کیا بات ہے؟

شرفو — جیتی رہو دلہن --- سہاگ بنا رہے میری بٹیا کا --- اور ہمرا کا پوچھت ہو بٹیا

..... کمر کے درد نے پریسان کر رکھا ہے۔

سلطانہ — تم آرام کرو کاکا .... میں چائے بنا لیتی ہوں۔

شرفو — نہیں نہیں ..... تم جا کر گڈو منّی کو دیکھو دلہن۔ ہم چائے بنا لیں گے۔ چھوٹے

بابو رات کب آئے تھے؟

سلطانہ — رات کے تین بجے پیدل آئے کاکا .... سردی لگ گئی ہے ..... بخار میں

پڑے بھُن رہے ہیں۔

شرفو — ہائیں ۳ بجے رات ..... اُس بکھت پیدل .... ای چھوٹے بابو نے مشاعرے

میں ہی اپنی بربادی کی ..... تم اُن کو سمجھاؤ بٹیا۔

سلطانہ ۔ میں تو تھک گئی کاکا ..... کیا کروں۔ میری قسمت ہی خراب ہے۔

شرفو ۔ ایسا نہ کہو بٹیا ..... ایسا نہ کہو ..... چھوٹے بابو تو ہیرا ہیں ..... ہیرا ۔ سارے ملک میں اُن کی ساعری کی سہرت ہے ۔ ای کھید گرج دنیا ــــ بڑے باپ کے بیٹے ہیں .... دل بھی اِتّا بڑا پایا ہے چھوٹے بابو نے کہ ایک لفج (لفظ) شکایت نہیں لاتے مُنہ پر۔ مگر ہائے رے جالم دنیا اور ہائے رے بکّت (وقت) ..... بڑے مالک کتنا لاڈ سے رکھتے تھے چھوٹے بابو کو ــــ

(وقفہ ..... سلطانہ چلی جاتی ہے اور شرفو بڑبڑاتا رہتا ہے)

کیا جمانہ تھا ..... بڑے مالک کی اُونچی سانندار حویلی ..... بھلے گتے دوڑتے نوکر چاکر ..... چھوٹے بابو کے لئے ہم کو رکھا تھا ..... کیسا دربار لگا رہتا تھا ..... کیسی چمک دمک تھی مولا ..... کہاں مرگیا یہ سب ..... آنا پھانا ای کا ہو گیا ..... دیکھتے ہی دیکھتے سُکھ کا روپ دکھ میں بدل گیا ..... ان سب کا دکھ دیکھا نہیں جاتا مالک ..... نمک کھایا ہے بڑے مالک کا .... گود میں کھلایا ہے چھوٹے بابو کو سرفو نے ــ جب تک سانس ہے مالک ..... اِن کی کھِدمت مجھ سے کرائے جا مالک ..... سب کا بھلا کر مالک۔

تیسرا سین

[صدیقی صاحب کا گھر]

اختر ۔ (آواز دیتا ہے) صدیقی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔

صدیقی ۔ آیئے ۔ آیئے اختر صاحب ــــ بڑی راہ دکھائی ..... کب سے لگا رہا

بٹھائے بیٹھے ہیں۔ پہلے تعارف کرا دیں دوستوں سے۔ (تعارف کراتا ہے)
یہ ہیں ڈپٹی کمشنر انکم ٹیکس کھنہ صاحب اور یہ ہیں شاعرِ اعظم میرے بچپن کے
دوست اختر علی اختر۔

کھنہ صاحب۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔

صدیقی۔ اور یہ ہیں ڈی۔ آئی۔ جی صاحب اور یہ ہیں سیٹھ دھنا مل۔ ان کی ٹیکسٹائل
کی تین ملیں ہیں۔

دھنا مل۔ بڑی کھسی ہوئی مل کر۔ ہم کو ساعری کا بڑا سوک ہے صاحب۔ آج تو
کھوب سعر سُنیں گے آپ سے۔ کوئی سعر گاتا ہے تو میرا من جھوم اٹھتا ہے۔
(کھی کھی کھی ہنسنے لگتا ہے۔)

صدیقی۔ اور اِن سے ملو۔۔۔ یہ ہیں۔۔۔۔

پروفیسر۔ مجھے پروفیسر عبدالغفور غفاری کہتے ہیں۔

صدیقی۔ ہاں بھئی، یہ ڈاکٹر پروفیسر غفاری ہیں۔ اُردو کے مشہور ناقد ہیں آپ۔

اختر۔ شرفِ ملاقات میری مسرت کا باعث ہے۔۔۔ ایسا لگتا ہے آپ کے ایک دو
مضامین بھی پڑھ چکا ہوں۔

پروفیسر۔ جی ہاں جی ہاں۔۔۔۔ تنقید میرا محبوب مشغلہ ہے اور ادب کو پرکھنا ہی
میرا کام ہے۔

اختر۔ بہت خوب۔ آپ کا ویسے قیام کہاں ہے؟

پروفیسر۔ جی میں بھٹنڈہ سرائے کے کالج میں اُردو کا پروفیسر ہوں۔

اختر۔ بھٹنڈہ سرائے کالج میں پروفیسر!۔۔۔۔۔ معاف کیجئے گا۔۔۔ میں نے تو سُنا
تھا کہ پروفیسر صرف یونیورسٹی میں ہوا کرتے ہیں۔ آج معلومات میں ایک اضافہ
ہوا کہ قصبہ کے پرائیوٹ کالج میں بھی پروفیسر ہوا کرتے ہیں۔۔۔ آپ ویسے
پروفیسر ہیں یا لکچرار؟

پروفیسر — (گھبرا کر) جی، جی ہاں .... میں لکچرار ہوں .... ج .... جی ....
پروفیسر نہیں لکچرار۔

صدیقی — یار کہاں کی بحث لے بیٹھے .... یہاں لکچرار بھی خود کو پروفیسر ہی
کہتے ہیں۔

کھنہ — مگر کیوں کہتے ہیں؟ — کم از کم ناقدوں کو تو اتنی احتیاط برتنی چاہیے۔
(ہنستا ہے)

صدیقی — چھوڑو بھی اس بحث کو .... میز کی طرف دیکھو .... جام نیاز ہیں .... بولو
اختر! تم کیا لوگے .... بیئر یا شمپین۔

اختر — بیئر یا شمپین؟ .... معاف کرنا دوست .... میں سرے سے شراب
نہیں پیتا ہوں۔

صدیقی اور پروفیسر کی آواز — (حیرت سے) شراب نہیں پیتے .... شاعر ہو
اور شراب نہیں پیتے! — اماں .... کیا کہہ رہے ہو؟ .... بنا شراب کے
شعر کیسے کہہ لیتے ہو!

کھنہ — اختر صاحب! .... تکلف نہ کیجیے .... بزمِ یاراں میں احتیاط کیسی ....؟
نوش فرمایئے — شعر و شراب کا تو چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔

اختر — جی شکریہ کھنہ صاحب .... میں نے کبھی نہیں پی۔

پروفیسر — مگر کیوں ....؟

اختر — آپ کیوں پیتے ہیں؟

پروفیسر — یہ تو کوئی جواب نہیں ہوا۔

اختر — وہ بھی تو کوئی سوال نہ تھا — کیوں پیتے ہیں .... کیوں نہیں پیتے ہیں ....؟
اسی کیوں اور کیسے نے تو زندگی کو اور بھی الجھا دیا ہے .... آپ حضرات نوش
فرمائیں .... مجھے دیکھ کر ہی نشہ آجائے گا — (ہنستا ہے)

صدیقی ۔ مگر یار اختر..... لطف جاتا رہے گا..... بغیر شراب کے زندگی میں سرور
کہاں؟ ۔۔

اختر ۔ ہاں صدیقی صاحب! آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔ مگر سرور کا تعلق ذہن سے ہے
اور کچھ لوگوں کو بن پئے ہی سرور آتا ہے۔

کھنہ ۔ اچھا بھائی چھوڑیئے..... رندوں کی محفل میں اچھا ہے ایک زاہد بھی رہے۔
جام اٹھائیں..... اجازت ہے اختر صاحب۔

اختر ۔ بصد شوق۔

کھنہ صاحب ۔ لو بھائی اختر صاحب کی شاعری کے نام..... اٹھائیں جام ۔۔۔
چیئرز ۔۔

(چیئرز..... چیئرز کے ساتھ جام کھنکنے کی آوازیں)

(وقفہ)

کھنہ صاحب ۔ ہاں بھائی! تو اب کچھ شعر و شاعری ہو جائے ۔ آپ کو شاید معلوم
نہیں کہ ہمارے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب بھی اپنی جوانی میں شعر کہتے تھے۔

ڈی۔ آئی۔ جی صاحب ۔ ارے کھنہ! کیوں کھینچنے لگے مجھے ۔ تم البتہ شعر تو کیا.....
غزل کو ساتھ لئے گھومتے تھے ۔ (سب لوگ ہنستے ہیں ۔) آج تو اختر صاحب
سے سننا ہے اور جی بھر کر سننا ہے۔

صدیقی ۔ ہاں بھئی اختر..... ہو جائے کوئی پھڑکتی ہوئی چیز ۔ ایسی کہ ہمارا نشہ دوہرا
ہو جائے۔

اختر ۔ میاں! ایسی چیز اختر کے پاس کہاں ملے گی ۔ تم نے انتخاب میں غلطی کی۔

کھنہ صاحب ۔ اختر صاحب! انکساری سے کام نہ لیں۔ میں آپ کی شاعری
پڑھ چکا ہوں ۔ خوب کہتے ہیں..... بہت خوب ۔ ارشاد ہو۔

پروفیسر ۔ صاحب! شاعروں کی یہی ناز برداریاں کھل جاتی ہیں۔ سنانے کے لئے

اصرار کرائیں گے ۔۔۔ ویسے خود سنانے کو بیتاب ہوتے ہیں بے چارے۔

کھنہ صاحب ۔ معاف کیجئے گا پروفیسر صاحب۔ شاعری اور تنقید میں بڑا فرق ہے۔ کبھی تخلیق کے کرب سے دوچار ہوں تو معلوم ہوگا۔

صدیقی ۔ پھر وہی بحث! یار پروفیسر تم ہر وقت تنقید ہی کرتے ہو کیا؟ ارے شراب پیو اور شعر سنو ۔ ہاں، بھائی اختر..... تم سناؤ ..... چھوڑو اس بحث کو۔

سیٹھ دھنّامل ۔ (نشہ کی آواز) بڑی دیر سے چپ بیٹھا ہوں ۔ اب تمہارے گجل کو سننے کے لئے بولنا ہی پڑ رہا ہے ..... گاؤ اختر صاحب کوئی گجل کہ مجہ آجائے۔

کھنہ ۔ ہاں اختر صاحب..... عنایت ہو۔

اختر ۔ طبیعت بالکل موزوں نہیں ..... پھر بھی حکم کی تعمیل کروں گا ..... اجازت ہو تو متفرق اشعار، جو یاد آ رہے ہیں .... سناؤں۔

صدیقی ۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ..... جیسی تمہاری مرضی۔

اختر ۔ ایک مطلع ہے ..... سنئے ؎

پی کے سورج کو سرِ شام جو گھر جاتا ہوں
اوڑھ کر دھند کی چادر میں بکھر جاتا ہوں

کھنہ صاحب ۔ بہت خوب ۔ واہ واہ ..... کیا خوبصورت مطلع ہے۔

سیٹھ دھنّامل ۔ مگر گا کر تو سنایا ہی نہیں .... ہم کو تو کچھ سمجھ نہ آیا ..... ذرا پھر سے پڑھو "پی کے سورج" کے بعد والا وہ کیا تھا۔

اختر ۔ "اوڑھ کر دھند کی چادر میں بکھر جاتا ہوں"

سیٹھ دھنّامل ۔ دھند کی چادر ..... ارے واہ ..... ہماری تین تین ملیں ہیں ..... ایک میں تو صرف چادریں ہی بنتی ہیں ..... شولاپوری چادر ..... تسر کی چادر ..... انڈی کی چادر ..... مگر یہ دھند کی چادر کون سی ہے بھائی ۔ اپن نے تو کبھی نام ہی نہیں سنا ۔ شاعر صاحب مجھے بتا دو ..... میں مل میں بنوا کر اس کا بجنس

کروں گا اور تمہیں بھی راٹلی دوں گا ---- دھند کی چادر ..... کھو جائے گی۔

(ایک قہقہہ بکھر جاتا ہے ---- وقفہ)

گھنشو۔ یار سیٹھ جی ---- تم پر تو چڑھ گئی ہے ..... شعر کا خون کر دیا تم نے " دھند" نہیں سمجھتے ..... اندھیرا ---- اندھیرا۔

پروفیسر۔ مگر صاحب ..... یہ کیا شاعری ہوئی ..... پی کے سورج کو ..... سورج بھی بھلا کوئی پینے کی چیز ہے ..... واہ سورج نہ ہوا ..... ڈبل سیون کی بوتل ہو گیا۔

(ہنستا ہے ---- اور لوگ بھی ہنستے ہیں۔)

اختر۔ ہاں صاحب! آپ ٹھہرے ناقد۔ آپ کو حق ہے ..... سب کچھ کہیں ---- ناقد ہونا آسان ہے ..... شعر فہمی ذرا مشکل ہے۔

گھنشو۔ بھئی پروفیسر صاحب! آپ بہت بڑے ناقد تو ضرور ہیں ---- مگر اتنے خوبصورت شعر پر آپ کی یہ تنقید بے حد گراں گزرتی ہے ..... ذرا سمجھنے کی کوشش کریں۔

پروفیسر۔ اجی سمجھوں کیا خاک؟ ---- جدیدیت کے نام پر لوگوں نے ادب کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔ میں تو ایسی شاعری کا پرخچہ اڑا دیتا ہوں۔ اپنے مضمون میں پتہ ہے ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے .....

اختر۔ (درمیان میں حائل ہو کر) پروفیسر صاحب! خدارا ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ اور ایذرا پاؤنڈ کا نام مت لیجئے۔ مجھے ناقدوں کے ان Quotations سے وحشت ہوتی ہے۔

پروفیسر۔ کیوں ..... ؟ آخر آپ گھبراتے کیوں ہیں ان ناموں سے؟

اختر۔ اِن ناموں سے نہیں گھبراتا ..... بلکہ آپ جیسے ناقدوں سے گھبراتا ہوں جو سنی سنائی باتوں کا حوالہ دے کر قاری کو مرعوب کر دیتے ہیں ..... جبکہ انھیں یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ایذرا پاؤنڈ عورت کا نام ہے یا مرد کا۔

پروفیسر۔ (غصہ میں) یہ آپ کہہ سکتے ہیں۔ میں نے تو ایذرا پاؤنڈ کی چار موں کتابیں

پڑھی ہیں ۔

اختر ۔ حالانکہ ایذرا کی پچاس کتاب شائع بھی نہیں ہوئی ہے ۔

کھنّہ ۔ (ہنستا ہے) بہت خوب ۔۔ اختر صاحب! معاف کر دیجئے انھیں ۔ جس طرح
لکچرر یہاں خود کو پروفیسر کہہ کر فخر محسوس کرتے ہیں اُسی طرح اُردو کا ہر لکچرر کم سے کم
ناقد ضرور ہوتا ہے ۔

صدیقی ۔ (ہنستے ہوئے) یار کھنّہ! مزہ آگیا ۔ خدا کی قسم کچھ دن لکھنؤ میں کیا رہ گئے زبان
کو قابو میں کر لیا ہے تم نے ۔۔ کم از کم ناقد ضرور ہوتا ہے ۔۔ (ہنستا ہے) بھئی داد نہیں
دی جا سکتی اِس جملے کی ۔

اختر ۔ ہاں بھائی! میں تو قائل ہو گیا کھنّہ صاحب کا ..... کیا خوب ذوق پایا ہے ۔

کھنّہ ۔ اچھا صاحب! اِسی بات پر دوسرے اشعار سنائیے ۔

اختر ۔ ضرور ضرور ۔۔ آپ جیسا باذوق ملے تو پورا دیوان سنانے میں بھی اعتراض
نہیں ۔

پروفیسر ۔۔ مگر بھائی یہ ٹوٹنے بکھرنے والی شاعری نہیں چلے گی ۔ کچھ تغزل کا رنگ ہو
اختر صاحب ۔

اختر ۔ اجی پروفیسر صاحب! آپ ٹوٹنے اور بکھرنے سے گھبراتے کیوں ہیں ۔ یہ ٹوٹنا
اور بکھرنا بھی سبھوں کو کب میسّر ہوتا ہے ۔

کھنّہ ۔ ہاں صاحب! آبگینے ہی ٹوٹتے ہیں ۔ پیتل کا لوٹا بھی کیا خاک ٹوٹے گا ۔

(سب لوگ ہنستے ہیں)

اختر ۔ بہت خوب ۔ کھنّہ صاحب! آپ کے ذوق کی نذر کر رہا ہوں یہ شعر ..... سماعت
فرمائیں ؎

روٹھ کر بھاگتے لمحوں کو منالیں ہم لوگ
آؤ سرسوں کو ہتھیلی پہ جمالیں ہم لوگ

کھنّہ ۔ واہ واہ ۔ کیا خوب شعر ہے ۔

اختر ۔ ایک اور شعر سنئے ؎

ہماری ڈوبتی سانسوں نے کہہ دیا تھا کہ بس
وگرنہ ٹوٹ ہی جاتا یہ پسلیوں کا قفس

کھنّہ و صدیقی ۔ واہ ..... واہ ..... واہ ..... واہ ۔

اختر ۔ بھئی سیٹھ جی اور پروفیسر صاحب کے ذوق کا بھی خیال رکھتا ہے ۔ دو پرانے اشعار سنا رہا ہوں ۔ جوانی کی باتیں ہیں ۔

صدیقی ۔ تو پھر ترنم سے ہو جائے اختر ۔ یار کالج کے وہ دن یاد کرو جب تمہارے اشعار پر لڑکیاں پاگل ہو جاتی تھیں ۔

کھنّہ ۔ (ٹھنڈی آہیں بھر کر) ہائے کس زمانے کو آواز دی ہے تم نے ۔ آنکھوں میں تتلیاں ناچنے لگیں ۔

اختر ۔ (ہنستے ہوئے) تو کھنّہ صاحب سنئے ۔ سیٹھ جی اور پروفیسر صاحب کی نذر کر رہا ہوں ۔

(ترنّم سے پڑھتے ہوئے .....) ؎

نیم باز آنکھوں میں میکدہ کھُلا سا تھا
بیخودی بھی طاری تھی ہوش بھی ذرا سا تھا

پروفیسر ۔ واہ واہ ۔ یہ ہوئی شاعری ..... بہت خوب ۔

اختر ۔ (مسکرا کر) ؎

ان کا وعدۂ فردا یاد جب دلایا تھا
ہنس کے کہہ دیئے پاگل وہ تو اک دلاسا تھا

(واہ واہ کی آوازیں)

پروفیسر ۔ ہائے مار ڈالا ظالم نے ۔ کیا خوبصورت شعر ہے ۔

سیٹھ ۔ (تالی بجا کر ہنستا ہے ..... کھی ..... کھی ..... کھی ....) واہ ..... واہ ..... کیسے گجب کا

سُر ہے — مرگیو میں تو ..... اس سُر میں تو ایک بوتل وسکی کے برابر نشہ ہے۔

(سب لوگ ہنستے ہیں۔)

سیٹھ — ساعر صاحب! تم تو کمال کے ساعر ہو — واہ واہ ..... تم ایسا کرو — ہماری مِل نے ایک نئی ساری بنائی ہے، اس کا نام "چھیلی" رکھا ہے — تم اس پر ایک شعر لکھ دو بہتر کتنا ہوا۔ ہم ریڈیو سے اِس کو ایڈورٹائیز کرائے گا۔ لوگ جھوم جھوم اُٹھے گا ..... تم کو ہم رائلٹی دے گا یار۔ ہم ساعر لوگاں کا بہت کدر کرتا ہے — ہم دیس بھگت ہے نا۔ دیس بھگتی اور ساعری — ہی ہی ہی ہی ....

کھتّہ — (آہستہ سے) اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی — اختر صاحب! اب شاعری بند ہی کر دیجئے — ہم جیسے ناقدروں میں اُس کی کتنی توہین کرائیں گے آپ۔

اختر — نہیں کھتّہ صاحب! ہم تو عادی ہیں اِس کے۔ شاعر اور قوال میں تھوڑا ہی فرق رہ گیا ہے۔ اب تو بچوں کی سالگرہ اور لڑکوں کے مونڈن میں بھی لوگ شاعروں کو مدعو کرتے ہیں اور ہم مفت کے چند پیگ کی خاطر سب کو برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں — (ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے) اچھا بھائی صدیقی! اب اجازت دو۔ کافی دیر ہو چکی ہے۔

صدیقی — ارے نہیں۔ کھانا کھا کر جانا۔

اختر — نہیں نہیں — مجھے دیر ہو جائے گی — بچہ بیمار ہے ...... اور کافی دور جانا بھی ہے۔

صدیقی — میں گاڑی سے پہنچوا دوں۔

اختر — نہیں نہیں ..... میں چلا جاؤں گا ..... خدا حافظ۔

(اختر چلا جاتا ہے — وقفہ)

صدیقی — (ہنستے ہوئے) بھئی یہ شاعر لوگ بھی بڑے نازک مزاج ہوتے ہیں۔

پروفیسر — وقت کی بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں یہ شاعری وائری —

گوشت ما — ایسا نہ کہئے .... کبھی تخلیق کے کرب سے گزر کر دیکھئے تو پتہ چلے گا کہ شعر کہنا

کتنا دشوار کام ہے — خون جگر کام آتا ہے ..... یہ تنقید نہیں ہے کہ بیٹھ کر کیڑے

نکالتے رہیں — یار صدیقی! میں بھی چلوں گا ..... میرا تو نشہ ہی اُتر گیا۔

(گڈ نائٹ ..... گڈ نائٹ کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے اور سبھی لوگ

ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔)

چوتھا سین

[اختر کا گھر۔ بچوں کے رونے اور چلّانے کی آوازیں]

اختر۔ (چیختا ہے) سلطانہ ..... سلطانہ — خدا کے واسطے اِن بچوں کو چپ کرو ....

غزل کا خون ہوگیا۔ کیسے خوبصورت اشعار ذہن میں آرہے تھے۔

سلطانہ — (طنزاً ہنسی ہوئی) بس غزل ہی کہے جائیے ..... مگر آپ کے اشعار ان بلکتے بچوں

کی بھوک نہیں مٹا سکتے — بھاڑ میں جائیں آپ کے اشعار اور چولھے میں جائے

آپ کی شاعری ..... کچھ پتہ ہے، دن کے ۱۱ بجنے والے ہیں اور بچوں کو ناشتہ تک

نصیب نہیں ہوا۔

اختر — کیوں ... ؟

سلطانہ — آپ ہی پوچھتے ہیں ... کیوں ؟ — آج پندرہ تاریخ ہوگئی — ابھی تک

اخبار والوں نے آپ کو پچھلے ماہ کی تنخواہ نہیں دی — ننھے نو کا بے چارے تین دنوں

سے الگ بیمار ہیں۔ گھر کا خرچہ کیسے چلے گا ..... کیا میں اپنا گوشت کاٹ کر پکا دوں —

اختر — ایں ..... کیسی باتیں کرتی ہو۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔

سلطانہ — کب بتاتی ..... رات کے گیارہ بجے تو آپ مشاعرے سے واپس آئے ....
آکر سو گئے — اب میں بتاتی کب ؟ میں کہتی ہوں آپ اس موئی کا پیچھا کیوں نہیں
چھوڑتے — آپ کی شاعری ہماری تباہی کا باعث ہے - اس نے آپ کو نکما
بنا دیا ہے — دن رات شاعری، مشاعرہ — آپ کو تو شاعری سے ہی شادی
کرنی تھی - بیوی بچے کا روگ کیوں پال لیا آپ نے — میرے خدا ! مجھے موت
کیوں نہیں آتی ؟ (رونے لگتی ہے) مجھ سے ان معصوم بچوں کا دکھ نہیں دیکھا جاتا ہے -
اختر — (خود کلامی) ٹھیک ہی کہتی ہے سلطانہ - میں آبروئے سخن اور نازشِ وطن
جیسے القاب سے ان معصوم بچوں کی بھوک تو نہیں مٹا سکتا - مجھے اس شاعری کو
خیر باد کہنا ہی ہو گا - کچھ کام کرنا ہو گا ..... کام، شاعری نہیں -
سلطانہ — خاموش کیوں بیٹھے ہیں - کچھ بولتے کیوں نہیں - شرفو کاکا بیمار ہیں - ان کو ڈاکٹر کو
دکھلانا بھی ضروری ہے -
اختر — ایں .... ہاں — لیکن شرفو کاکا کو کیا ہو گیا - چلو ذرا انھیں دیکھیں - (جاتا ہے)
(ہلکے ہلکے آواز دیتا ہے) کاکا ..... کاکا .... سو گئے کیا ؟
شرفو کاکا — کون چھوٹے بابو ... ارے اس گندی کوٹھری میں کیوں آئے بابو ......
(کھانستا ہے) مجھے بلا لیا ہوتا -
اختر — کیسی باتیں کرتے ہو کاکا — کیسی طبیعت ہے تمہاری ؟ سنا کہ بہت تیز بخار ہے -
کاکا — ارے کچھ نہیں (سانس لیتا ہے) — ذرا سا بخار ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا - تم فکر
نہ کرو — منّی کہاں ہے — گڈّو بٹیا کیوں رو رہے ہیں ؟
اختر — (کاکا کو چھو کر دیکھتا ہے) ارے کاکا تمہیں تو بہت تیز بخار ہے — اور سانس بھی تیز
چل رہی ہے — ٹھہرو .... میں ابھی ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں -
کاکا — ارے نہیں نہیں ..... ڈاکٹر کیا کرے گا آ کر بابو - کوئی فکر نہ کرو، ہم ٹھیک ہو جائیں
گے - کاہے پیسہ برباد کرو گے .... ہم کا کچھ بھی نہیں ہو گا -

سلطانہ۔ نہیں کاکا۔ تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے۔ ڈاکٹر کو دکھانا ہی ہوگا۔
نمونیہ ہوگیا تو مشکل ہوگی۔

کاکا۔ ارے دلہن، کاکا بہت سخت جان ہے۔ اسے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ بنا چھت کی دیوار
جلدی نہیں گرتی بیٹا۔

اختر۔ مگر کاکا.... تم تو ہماری زندگی کی دیوار ہو۔۔۔ یہ دیوار گر گئی تو میں کیا کروں گا۔

کاکا۔ ارے خدا تم سب کو سلامت رکھے۔ گریب پر اتنا مت احسان کرو۔ احسان سے
دب کر مر جائے گا۔ ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔

اختر۔ کاکا تم کیسی باتیں کرتے ہو۔۔ غریب تو ہم بھی ہیں کاکا ۔۔ ہم میں اور تم میں کیا
فرق ہے؟

کاکا۔ ارے نہیں نہیں.... ایسا مت کہو۔ ہمیں گنہگار مت کرو۔ ہم تو تمہاری جوتی
کی خاک ہیں بابو۔۔ بڑے سرکار کا نمک کھایا ہے.... تمہیں گود میں کھلایا ہے۔
ہائے رے حویلی.... بڑے سرکار.... سب کہاں چلے گئے سرفو کو چھوڑ کر.....

(روتا ہے)

اختر۔ کاکا، مت روؤ..... بڑے سرکار..... چھوٹے سرکار اور حویلی، سب
خواب تھے ۔۔ خواب تو چکنا چور ہوگیا.... تم مت گھبراؤ..... میں ابھی ڈاکٹر
کو لے کر آتا ہوں۔

کاکا۔ نہیں نہیں کوئی جرورت نہیں۔

(سلطانہ اور اختر کمرے سے باہر آتے ہیں)

سلطانہ۔ (آہستہ سے) شرفو کاکا کو نمونیہ ہو گیا ہے۔ حالت اچھی نہیں۔

اختر۔ ہاں! میں فوراً دوا کے لئے جاتا ہوں۔ تم کاکا کے پاس رہو۔

سلطانہ۔ لیکن دوا کے لئے پیسے؟

اختر۔ تم فکر نہ کرو۔ تم کاکا کے پاس جاؤ.... میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔۔۔۔

(چلا جاتا ہے۔)

(وقفہ)

پانچواں سین

[اختر علی کا گھر۔ اختر علی گھبرایا ہوا گھر میں داخل ہوتا ہے۔]

اختر۔ سلطانہ .... سلطانہ (پکارتا ہے)

سلطانہ۔ جی ---- آئی۔

اختر۔ کاکا کیسے ہیں؟

سلطانہ۔ آج اچھے ہیں۔ تین دنوں کے بعد ہوش آیا ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ دوا سے فائدہ کیا۔

اختر۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) خدا کا شکر ہے۔

سلطانہ۔ مگر ایک بات آپ نے نہیں بتائی۔ آخر ڈاکٹر کی فیس اور تین دنوں تک دوا اور انجکشن کے لئے آپ نے پیسے کہاں سے لائے؟

اختر۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) پیسے کہاں سے لائے؟ بتا دوں گا۔ پہلے تم میرے پاس آؤ۔ آج جی بہت اداس ہے سلطانہ....

سلطانہ۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ آپ بے حد مضطرب دکھائی دے رہے ہیں۔

اختر۔ (جذباتی آواز میں) کچھ نہیں سلطانہ ... میری ایک خواہش پوری کرو گی؟ مگر مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا؟ تمہیں اپنی جان کی قسم دے رہا ہوں۔

سلطانہ۔ ارے .... کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کہئے تو آپ کے لئے جان دے دوں۔ کون سی خواہش آپ کی میں نے پوری نہیں کی!

اختر۔ ہاں سلطانہ! تم نے تو میری ہر خواہش پوری کی، میں ہی تمہاری کوئی آرزو پوری نہ کرسکا۔ آج پھر تم سے کچھ مانگ رہا ہوں۔ سلطانہ! میں آج سے بیس سال پیچھے کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہوں۔ جب تم دلہن بنی تھیں اور محبت کی طویل راتوں کے بعد ہمیں وصال نصیب ہوا تھا..... تم وہی شہانہ جوڑا پہن لو۔

سلطانہ۔ (چونک کر) ایں۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟

اختر۔ میں نے تم سے کہا تھا نا؟ کہ سوال نہ کرنا۔ کیا میری یہ خواہش تم نہیں پوری کرسکتیں۔

سلطانہ۔ نہیں نہیں، آپ جو چاہیں، میں کرسکتی ہوں۔

اختر۔ (خود کلامی) واہ اختر..... شاعر ہونا..... جذبات سے کبھی نجات نہیں پاسکے۔ آرزوئیں قتل کرتی رہیں مگر آرزوؤں سے دامن نہ بچا سکے۔

سلطانہ۔ (دھیمی آواز میں) لیجئے میں نے جوڑا پہن لیا۔ مگر خدا کے لئے کچھ بتایئے۔ میرا جی ڈوبا جارہا ہے..... آخر آپ کو کیا ہوگیا ہے؟

اختر۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں — میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ — یاد ہے، میں نے اُس رات تمہیں کون سی غزل سنائی تھی۔

سلطانہ۔ ہاں، یاد ہے۔ بھلا اُسے کیسے بھول سکتی ہوں۔ کتنی خوب صورت غزل آپ نے برجستہ کہی تھی..... برسوں والی۔

اختر۔ آج میں تمہیں وہی غزل سنانا چاہتا ہوں۔ تم سامنے بیٹھی رہو.....(پھر اختر ترنم سے پڑھتا ہے۔) رہی تھی گم شدہ جنت کی مجھ کو جستجو برسوں

گریباں ہاتھ میں لے کر پھرا تھا کو بہ کو برسوں

شفق کو کھیلنے جس نے ترے عارض پہ دیکھا ہے

اُسے آیا نہیں ہے پھر خیالِ رنگ و بو برسوں

قسم ہے اِس نظر کی تشنگی پھر بھی نہ جائے گی

اگر بیٹھے بھی رہیے آپ میرے روبرو برسوں

(اختر پھر کھانسنے لگتا ہے ..... سانس تیز ہو جاتی ہے ۔ اور پھر بولتا ہے)

بس سلطانہ بس...... آج اختر علی اختر مر گیا...... اب صرف اختر علی زندہ رہے گا۔

سلطانہ ۔ خدایا (روہانسی ہو جاتی ہے) کیا ہو گیا ہے آپ کو...... آپ کیا کرنا چاہتے ہیں ۔ میرا دم نکل جائے گا گھبراہٹ سے..... یہ آپ نے اپنے سامنے اتنے سارے کاغذات اور دیوان کیوں جمع کر رکھے ہیں۔

اختر ۔ ابھی بتاتا ہوں ۔ تم جاننا چاہتی تھیں نا..... میں نے ستر ھو کا کے علاج کے لئے پیسے کہاں سے لائے تھے؟

سلطانہ ۔ ہاں..... کس سے قرض لیا تھا آپ نے؟

اختر ۔ قرض.....؟ مشاعروں میں شاعر کو داد مل سکتی ہے ۔ مگر کوئی ادب نواز قرض نہیں دے سکتا ۔ پچھلے سال کُل ہند ادبی اکادمی نے میری ادبی خدمات کے صلے میں مجھ کو سونے کا تمغہ دیا تھا نا؟

سلطانہ ۔ (چونک کر) ہاں ہاں..... مگر.....

اختر ۔ میں نے اُسے بیچ دیا ہے سلطانہ۔

سلطانہ ۔ (بھڑک کر) نہیں نہیں..... آپ ایسا نہیں کر سکتے۔

اختر ۔ سلطانہ ۔ تم جذباتی نہ بنو..... میں نے وہ تمغہ ۲۷ روپے میں بیچ دیا ہے ۔ سُنار کہہ رہا تھا کہ تمغہ خالص سونے کا نہیں تھا، ملاوٹ تھی اس لئے کم پیسے ملے سارے پیسے دوا پر خرچ ہو گئے ۔ پندرہ پیسے بچے تھے..... (سانس لیتا ہے) اُس پندرہ پیسے سے ماچس خرید کر لے آیا ہوں ۔ اور اس ماچس سے آج اپنا سارا دیوان، اپنی شاعری جلا کر راکھ کر دوں گا۔ ۔۔۔۔ آج سے شاعری ختم۔

سلطانہ ۔ (چیخ کر) نہیں نہیں..... خدارا ایسا نہ کیجئے۔

میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔
اختر۔ نہیں سلطانہ! خبردار..... مجھے مت روکنا...

میں آج اس کو خاکستر کر کے رہوں گا۔

(اختر ماچس جلا کر آگ لگا دیتا ہے)

سلطانہ۔ (چیختی ہے) ارے آپ نے تو آگ لگا دی۔ آپ کو میری جان کی قسم ہے
مت جلایئے اسے..... آپ کی شاعری تو میرا سہاگ ہے..... اسے مت
جلایئے۔ خدارا..... مت جلایئے۔

اختر۔ تم یہیں کھڑی رہو..... مجھے ان شعلوں کا آتشیں رقص دیکھنے دو سلطانہ۔

سلطانہ۔ مجھے چھوڑ دیجئے..... مجھے چھوڑ دیجئے..... مجھے سنبھالنے دیجئے.....
خدارا..... کاکا..... کاکا..... بچاؤ اسے کاکا.....

(اچانک کاکا آجاتا ہے۔)

کاکا۔ ارے یہ کیا غضب کر دیو چھوٹے بابو..... ہم بجھاتے ہیں..... ہم بجھاتے ہیں
..... ہمرے چھوٹے بابو کی شاعری نہیں جل سکتی۔..... نہیں جل سکتی.....
نہیں جل سکتی۔ (بجھاتا ہے) جب تک کاکا زندہ ہے نہیں جل سکتی.....

اختر۔ کاکا..... کاکا..... چھوڑ دو..... اسے جل جانے دو۔ کاکا تم اپنے
ہاتھ کیوں جلا رہے ہو؟ کاکا ہاتھ جل جائیں گے۔

(شرفو اپنے ہاتھوں سے آگ بجھاتا ہے)

کاکا۔ ہم بجھا دیئے ای آگ..... نہیں جلنے دیں گے..... نہیں..... نہیں..... چھوٹے
بابو نہیں..... تمرا ہمرے جان کی کسم اسے مت جلاؤ..... نہیں تو ہم جان
دے دیں گے۔

اختر۔ مگر کاکا! تم نے اپنے ہاتھ کیوں جلا لیے..... سلطانہ جلدی سے ڈاکٹر کو بلاؤ۔
کاکا کے دونوں ہاتھ بالکل جل گئے ہیں۔

کاکا۔ (کراہتے ہوئے) کوئی غم نہیں..... بلا سے جل گئے کاکا کے ہاتھ..... تمہاری

شاعری تو بچ گئی — مگر کاکا کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ کہ اب اِسے نہیں جلاؤ گے...... نہیں تو ہم اپنے بدن میں آگ لگا کر مر جائیں گے۔

ختو۔ (روتے ہوئے) نہیں کاکا.... نہیں کاکا...... نہیں جلاؤں گا — جس شاعری کو تم جیسا قدرداں مل جائے...... اُسے کوئی نہیں جلا سکتا.... کوئی نہیں جلا سکتا.... کوئی نہیں —

(ڈراپ سین)

پتھّروں کا شہر

کردار

راشد -- دہلی میں سرکاری دفتر میں ملازم جو سرکاری کالونی میں رہتا ہے۔

نیلو -- راشد کی بیوی

قمر -- راشد کے بچپن کا دوست

شرما جی -- راشد کے فلسفی دوست

دیگر کردار -- بس اسٹاپ پر مختلف لوگ۔

اور فلیش بیک کے کردار

قمر کی ماں۔

پس منظر: نئی دہلی کی میکانیکی زندگی کا عکس۔

پہلا سین

[دہلی شہر کے سرکاری کوارٹرس کا ایک کمرہ - راشد کا گھر -
ریڈیو بجنے کی دھیمی آواز -]

راشد - اونہہ ہونہہ — صوفوں پر کس قدر گرد جم گئی ہے - معلوم ہوتا ہے ساری
آندھی اسی کمرے میں آئی تھی -

نیلو - اوہ! صفائی ختم بھی ہوگی یا سارا دن آپ صفائی میں ہی لگا دیں گے - ۹ بج
گئے اور ابھی تک آپ نے نہ شیو کیا نہ ناشتہ - میں کہتی ہوں آپ ناشتہ کریں
گے بھی یا نہیں ؟ پھر بازار جانا ہے - سبزی لانی ہے — ہاں نہیں تو .....

راشد - جانتا ہوں سرکار جانتا ہوں — کیوں ناراض ہوتی ہو — (ہنستا ہے) —
ایک تو اتوار کا دن ملتا ہے ، چھ دن کے انتظار کے بعد (ہنستا ہے) —
آج تو ذرا آرام سے کام کرنے دو — روز تو مشین کی طرح کام کرتا ہی ہوں -

نیلو - شوق سے آرام کیجئے مگر ذرا گھڑی کی طرف بھی دیکھئے - گھڑی تو آپ کا انتظار
نہیں کرے گی -

راشد - نہیں بھئی ، گھڑی کب کس کا انتظار کرتی ہے — ہونہہ — گھڑی ! اس نے تو
اور بھی غلام بنا کر رکھ دیا ہے — گھڑی انسان نے بنائی تھی وقت کو تابع کرنے کے
لئے اور خود گھڑی کا تابع بن کر رہ گیا ہے -

نیلو - اچھا اب فلسفہ چھوڑیئے اور جلد تیار ہو جایئے — گھڑی کا شکوہ بعد میں
کیجئے گا -

راشد - شکوہ نہیں کر رہا ہوں حضور ! حقیقت بیان کر رہا ہوں - ہم واقعی مشین ہو گئے ہیں

مشین — روبو دیکھا ہے تم نے --- روبو؟

نیلو — روبو! اچھا وہ لوہے کا آدمی جو سارے کام کرتا ہے۔

راشد — ہاں، ہم بھی ایک روبو بن کر رہ گئے ہیں نیلو — روبو، جو ایک میکانیکی انداز میں بغیر کچھ سوچے سمجھے سب کام کرتا ہے۔ ہمارا بھی یہی حال ہے — صبح ۶ بجے اُٹھ جایئے، ۸ بجے تیار ہو جایئے، ½ ۸ بجے ہاتھ میں روٹی کا ڈبہ اور بریف کیس لے کر گھر سے روانہ، ¾ ۸ پر بس کی لائن میں کھڑے ہو جایئے، ۹ بجے بس میں داخل اور بس روانہ۔ ½ ۹ بجے دفتر، ایک بجے لنچ، ۵ بجے چھٹی، پھر بس کی لائن، پھر گھر — ہم واقعی روبو ہیں اور یہ گھڑی ہماری کمپیوٹر ہے جو ہماری تمام حرکات کو کنٹرول کرتی ہے۔

نیلو — حد ہو گئی --- بات کرنی شروع کرتے ہیں تو مشین کی طرح زبان چلتی ہی جاتی ہے اور یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ وقت بھاگتا چلا جا رہا ہے اور اتنے سارے کام پڑے ہیں۔

راشد — وقت — وقت — وقت — نیلو تمہیں وقت کا obsession تو نہیں ہو گیا ہے۔ ہفتے میں ایک دن تو وقت کے چنگل سے بچ جانے دو۔

(کال بیل کی آواز)

نیلو — وقت کے چنگل سے بچ جایئے گا مگر کال بیل کے چنگل سے کیسے بچیے گا۔ نہ جانے کون آ دھمکا ہے — لوگ اتوار کو بھی چین نہیں لینے دیتے۔

راشد — کیوں ناراض ہوتی ہو — دیکھ تو لو — ہو سکتا ہے کہ تمہارے بھائی ہوں۔

نیلو — رہنے دیجئے — میرے بھائیوں کے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ آپ کے پاس آ کر ضائع کریں --- آپ ہی کے دوست ہوں گے --- بیوی سے جھگڑا کیا ہو گا، اب ہمارا اتوار ضائع کریں گے۔

(کال بیل پھر بجتی ہے)

راشد — جی Coming ارے آرہا ہوں بھائی — ارے — ارے قمر تم — تم
کب آئے ؟

قمر — ہیلو راشد — میں کل ہی آیا —

راشد — اندر آؤ — اندر آؤ — کہو دلّی کیسے آنا ہوا ؟ — نیلو دیکھو کون آیا ہے —
ارے دیکھو قمر آیا ہے شہر سے —

قمر — آداب عرض ہے بھابی —

نیلو — آداب — کہئے قمر بھائی سب خیریت ہے نا ؟

قمر — سب خیریت ہے — میں کل ہی آیا ہوں — آپ تو اچھی ہیں نا ؟

نیلو — ہاں بھائی اللہ کا فضل ہے —

راشد — یہ بتاؤ قمر ! کیسے آنا ہوا ؟ تم ٹھہرے کہاں ہو ؟

قمر — سب بتاتا ہوں — تم اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو ؟ میں ہوٹل میں ٹھہرا
ہوا ہوں — سوچا پہلے تم سے مل لوں، پھر تمہارے یہاں شفٹ کرنے کا فیصلہ کروں گا —
مجھے ملازمت مل گئی ہے — کل میں نے جوائن کر لیا ہے —

راشد — تو کیا تم نے اپنے بھائی کی لکچرر شپ چھوڑ دی ؟

قمر — ہاں یار — میں اس لکچرر شپ سے تنگ آ گیا تھا — برسوں وہی رٹے رٹائے سبق
دہرانا — خام ذہنوں سے مغز پچی کرنا اور پھر چھوٹو میں اس چھوٹے سے
قصبے سے کبھی کہیں گیا — بالکل کنویں کے مینڈک کی طرح محبوس تھا — نہ کوئی سوسائٹی،
نہ اچھا ہوٹل نہ بازار — بالکل گھٹ کر رہ گیا تھا — سوچا کسی بڑے شہر میں رہنا چاہئے
جہاں کھلی فضا ہو، سوسائٹی ہو اور progressive خیالات کے لوگ
رہتے ہوں —

راشد — ہوں، تو تم چھوٹے سے قصبے سے گھبرا کر سکون اور مسرّت کی تلاش میں
آئے ہو ؟

قمر۔ بالکل ۔۔ یار میں تو اکتا گیا تھا وہاں ۔ وہی جانے پہچانے چہرے، وہی سڑکیں، وہی لوگ ۔۔۔ بے حد گھٹن محسوس ہوتی تھی مجھے۔

راشد ۔ تم نے اچھا نہیں کیا قمر ۔ اس شہر کی مشینی زندگی میں تو تم اور گھٹ کر رہ جاؤ گے۔

قمر ۔ بے کار کی باتیں نہ کرو۔ مجھے تو یہ شہر بے حد پسند آیا۔

راشد ۔ (ہنستا ہے) کل ہی آئے ہو نا ۔۔ کچھ دنوں بعد اس شہر کی اجنبیت تمہیں ڈسنے لگے گی اور پھر وہی جانے پہچانے چہرے تمہیں یاد آنے لگیں گے جن سے بھاگ کر تم یہاں آئے ہو۔ (ہنستا ہے) یہ شہر تمہیں راس نہیں آ سکتا دوست۔

قمر ۔ کیوں نہیں آ سکتا؟ ۔۔ میں نے کافی سوچ سمجھ کر ہی لکچر شپ چھوڑ کر دفتر کی نوکری قبول کی ہے اور میں ......

(کال بیل کی آواز قمر کے جملے میں دخل انداز ہوتی ہے۔)

راشد ۔۔ آیا بھائی ۔ (دروازہ کھولتا ہے) اخاہ! ۔ آیئے آیئے شرما جی ۔۔ بہت دنوں بعد تشریف لائے ہیں (ہنستا ہے) کہاں تھے؟ ۔۔۔ لو بھئی قمر ان سے ملو۔ یہ ہیں شرما جی ۔۔ میرے دیرینہ کرم فرما ۔۔ شاعر بھی ہیں اور فلسفی بھی۔

۔ بہت خوب! آداب عرض ہے ۔۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔

شرما جی ۔۔ مگر اتنی جلدی آپ خوشی کا اظہار نہ کریں ۔ جناب ممکن ہے کہ کچھ دیر بعد آپ کو مجھ سے مل کر افسوس ہونے لگے ۔ (سب ہنستے ہیں)

راشد ۔ بھئی شرما جی آپ کی ہر بات فلسفیانہ ہوتی ہے ۔ لیجئے میں نے ان کا تعارف تو کرایا ہی نہیں ۔۔ یہ میرے بچپن کے دوست قمر ہیں ۔ جہان آباد میں لکچرر تھے ۔۔ چھوٹے شہر کی گھٹن سے گھبرا کر یہاں سکون کی تلاش میں آئے ہیں۔

شرما جی ۔۔ بہت خوب ۔۔ بہت خوب ۔ اس شہر میں سکون کی تلاش میں؟ (ہنستے ہیں) سنا تھا پہلے لوگ سکون کی تلاش میں جنگل کی راہ لیتے تھے ۔ ہاں بھائی ۔ زمانہ

بدل گیا۔ اقدار بدل گئیں ۔۔۔ اب سکون کی تلاش میں لوگ شہروں کی راہ لیتے ہیں۔

راشد ۔ میں ان سے ابھی یہی کہہ رہا تھا کہ انھوں نے لکچرر شپ چھوڑ کر غلطی کی ہے۔

شرما ۔ تم غلط کہہ رہے ہو راشد۔ فیصلہ بذاتِ خود صحیح یا غلط نہیں ہوتا ۔۔ اس کے نتائج صحیح یا غلط ہوتے ہیں ۔۔۔ اور تم قبل از وقت پیش گوئی کر رہے ہو۔

قمر ۔ معلوم ہوتا ہے راشد صاحب کو میرا یہاں آنا ناگوار گذرا ۔۔ میں آپ لوگوں پر بوجھ نہیں بنوں گا راشد صاحب۔

راشد ۔ ابے قمر کے بچے ۔ راشد صاحب گئے بھاڑ میں ۔۔۔ اس طرح آپ جناب کر کے گفتگو کی تو چانٹا مار دوں گا۔

(سب ہنستے ہیں)

میں تو وہی کہہ رہا تھا جو محسوس کرتا ہوں ۔ تم آئے یہ تو مسرت کی بات ہے ۔ دس سال سے اس شہر میں جو تنہائی اور اجنبیت کا احساس ہے وہ کچھ کم ہو جائے گا۔

(کال بیل)

نیلو ۔ چائے حاضر ہے ۔۔ آداب عرض ہے شرما جی۔

شرما ۔ آداب عرض ہے بیگم صاحبہ ۔۔ کہئے اچھی تو ہیں ؟

نیلو ۔ دعا ہے ۔ آپ تو اچھے ہیں ؟

(کال بیل کی آواز)

راشد ۔ آرہا ہوں بھائی ۔۔ اتوار کو بھی چین نہیں لینے دیتے۔

شرما ۔ میرے آنے پر بھی تو یہی کہا ہوگا تم نے ۔ مگر مل کر ایسا ظاہر کیا جیسے واقعی خوشی ہوئی ہے ۔ یار کس قدر ہپوکریسی آگئی ہے ۔ میں خود بھی کتنا بڑا ہپوکریٹ ہوں ۔ تمہاری چائے پی رہا ہوں اور تھوڑی ہی دیر بعد تمہاری شکایت کروں گا۔

(سب ہنستے ہیں)

راشد ۔ آپ کی انہیں باتوں پر تو مرتا ہوں شرما جی ۔ اچھا ذرا دیکھوں وہ کون سا ہپوکریٹ

ہے جو دروازے پر کھڑا ہے۔

(سب ہنستے ہیں)

راشد۔ (دروازہ کھولتے ہوئے) کہئے صاحب!

آنیوالا۔ نمستے جی۔

راشد۔ کس سے ملنا ہے آپ کو؟

آنیوالا۔ جناب دو گھنٹے سے آنند صاحب کا فلیٹ تلاش کر رہا ہوں۔ وہ اسی اسکوائر میں کہیں رہتے ہیں۔ کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟

راشد۔ کیا آپ ان کا فلیٹ نمبر جانتے ہیں؟

نو وارد۔ جی نہیں۔

راشد۔ تب تو بڑی مشکل ہے صاحب۔ اچھا ان کا فون نمبر معلوم ہے؟

نو وارد۔ جی نہیں۔

راشد۔ ان کی کار یا اسکوٹر کا نمبر معلوم ہے؟

نو وارد۔ جی نہیں۔

راشد۔ دیکھئے صاحب! فلیٹ کا نمبر آپ کو معلوم نہیں، کار کا نمبر آپ کو معلوم نہیں، تب تو پھر آنند صاحب کا ملنا ناممکن ہی ہے۔

نو وارد۔ لیکن کیوں؟

راشد۔ یہ اس لئے میرے بھائی کہ یہاں لوگ ایک دوسرے کو فلیٹ کے نمبر سے جانتے ہیں۔ کار کے نمبر ہوں یا فون کے نمبر سے پہچانتے ہیں۔ یہاں نام سے کوئی کسی کو نہیں جانتا۔ یہ دہلی ہے، بڑا شہر۔

نو وارد۔ جی دیکھئے میں باہر سے آیا ہوں۔ بڑا ضروری کام ہے۔ میری مدد کیجئے۔

راشد۔ جناب! میں کیا بھگوان بھی آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ اچھا یہ بتائیے آنند صاحب پنجابی ہیں؟

نو وارد ۔ جی نہیں ۔
راشد ۔ بنگالی ہیں ؟
نو وارد ۔ جی نہیں ۔
راشد ۔ پھر یو۔ پی ۔ کے ہوں گے ؟
نو وارد ۔ جی نہیں ۔
راشد ۔ تب مدراسی ہوں گے یا کیرل کے ہوں گے ؟
نو وارد ۔ جی نہیں ۔
راشد ۔ اُف ! پنجابی نہیں، مدراسی نہیں، بنگالی نہیں، پھر وہ ہیں کیا ؟
نو وارد ۔ جی وہ ہندوستانی ہیں ۔
راشد ۔ بہت خوب ۔ بہت خوب ۔ تو آنند صاحب ہندوستانی ہیں ۔ مگر معاف کیجئے گا صاحب اس اسکوائر میں مجھے تو کوئی ہندوستانی نہیں دکھائی دیتا ۔۔ اگر واقعی وہ ہندوستانی ہیں تو آپ سے پہلے میں آنند صاحب کو تلاش کروں گا اس لئے کہ مجھے بھی ایک ہندوستانی کی تلاش ہے ۔
نو وارد ۔ مذاق نہ اڑائیے ۔ میں سچ کہہ رہا ہوں ۔ آنند صاحب نے مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ نہ بنگالی ہیں، نہ پنجابی، نہ کشمیری بلکہ صرف ہندوستانی ہیں ۔
راشد ۔ معاف کیجئے گا ۔ میں مذاق نہیں اڑا رہا تھا ۔ میرا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ مدراسی ہوتے تو میں اپنے پڑوس کے سندرم صاحب سے دریافت کرتا، پنجابی ہوتے تو سامنے کھوسلہ صاحب کے یہاں بھجوا دیتا ۔ اس طرح ممکن ہے کہ آنند صاحب کا کچھ پتہ چل جاتا ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ وہ ہندوستانی ہیں ۔ اب میں کس سے پوچھوں ۔ اچھا پہلے اندر آئیے ۔۔ پھر باتیں ہوں گی ۔
نو وارد ۔ (اندر آ کر سب سے مخاطب ہوتے ہیں) نمستے ۔
راشد ۔ شرما جی ! انھیں آنند صاحب کا فلیٹ نہیں مل رہا ۔ نہ انھیں فلیٹ کا نمبر

معلوم ہے، نہ ٹیلی فون کا اور نہ ہی کار کا — اب بتایئے آنند صاحب کیسے مل سکتے ہیں۔

نو وارد — کیا یہاں نام سے کوئی کسی کو نہیں جانتا؟

شرما جی — بھئی نام بھی تو ایک طرح کا نمبر ہی ہے۔ فرق صرف ہندسوں اور حروف کا ہے — اور ٹھیک ہی تو ہے، نام جاننے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ جب دس سال سے ایک ہی شہر میں رہنے والوں کے درمیان کوئی انسانی رشتہ قائم نہ ہو سکے تو نام جان کر کیا کرنا ہے — اچھا ہے نمبروں سے نام کی اپنائیت بھی ختم ہو گئی۔ خیر صاحب Hats off to this city & its people اچھا بھائی میں چلا۔ اجازت دیں۔ بہت وقت برباد کیا آپ لوگوں کا۔

راشد — ارے بیٹھیے شرما جی۔ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کے آنے سے تو جی خوش ہو جاتا ہے۔

شرما جی — نہیں بھائی اب اجازت دو۔

راشد — اچھا اچھا۔ مگر پھر ضرور تشریف لایئے گا۔ (شرما جی چلے جاتے ہیں) یار قمر! شرما جی بہت بور کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ اتنا وقت برباد کیا۔

قمر — ارے تم تو شرما جی کے آنے پر بے حد خوش نظر آ رہے تھے اور اب کہہ رہے ہو کہ بور کرتے ہیں۔

راشد — ارے یار سب چلتا ہے۔ یہاں سب لوگ ایک دوسرے سے اسی طرح خلوص کا ماسک لگا کر ملتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں خواہ اذیت ہی کیوں نہ ملی ہو۔ (ہنستا ہے) یہی یہاں کا ایٹی کیٹ ہے۔ بہت جلد تم بھی اس کے عادی ہو جاؤ گے۔

قمر — اچھا بھئی دیکھا جائے گا۔ میں بھی چلا — خدا حافظ۔

راشد — ارے — ارے — تم کہاں چلے؟ تمھیں تو یہیں رہنا ہے۔ ...

سامان لے آؤ جاکر۔

قمر۔ نا بابا، نا۔ ہو سکتا ہے، شرما جی کی طرح بعد میں تم مجھے بھی گالیاں دو — مجھے تو معاف ہی کرو۔

راشد۔ کمال کرتے ہو یار — تمہاری بات اور ہے۔ تم تو میرے بچپن کے یار ہو۔ تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہوگا۔ نہیں تو جھگڑا ہو جائے گا، ہاں۔

(نیلو داخل ہوتی ہے۔)

نیلو۔ کیسا جھگڑا ہو رہا ہے بھئی؟

قمر۔ نہیں بھابھی جھگڑا کیا ہوگا — راشد کہہ رہا ہے کہ میں یہیں ٹھہر جاؤں اور میں کہہ رہا ہوں کہ آپ کا فلیٹ تو خود ہی چھوٹا ہے۔ آپ لوگوں کو تکلیف ہو جائے گی۔

نیلو۔ (بے جان آواز میں) فلیٹ تو آپ کے سامنے ہی ہے۔ مگر.....

راشد۔ مگر وگر کچھ نہیں — ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ دن بھر تم دفتر میں ہی رہو گے رات میں صوفہ ہٹا کر بستر لگا دیں گے۔ تم سو جانا — سویرے بستر ہٹا کر ڈرائنگ روم ٹھیک کر دیں گے۔ بس! دوسرا کمرہ ہم میاں بیوی کے لئے ہے ہی۔

قمر۔ روز رات کو صوفہ ہٹا کر بستر لگایا جائے گا اور سویرے بستر ہٹا کر صوفہ لگایا جائیگا۔ نا بابا — نا۔ میں ہوٹل میں ہی ٹھیک ہوں۔ جلد ہی کوئی مکان مل جائے گا۔

(راشد کھلکھلا کر ہنستا ہے)

راشد۔ جلد ہی کوئی مکان مل جائے گا۔ بہت خوب — (ہنستا ہے) جلد ہی کوئی مکان مل جائے گا — یار بھول جاؤ یہ سب باتیں ہم نے وہ لطیفہ نہیں سنا؟

قمر۔ کون سا؟

راشد۔ ایک صاحب مکان کے لئے بہت پریشان تھے۔ ایک دن جمنا کے کنارے وہ ٹہل رہے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کا عزیز ترین دوست جمنا میں ڈوب رہا ہے۔ وہ فوراً اپنے دوست کو بچانے کے لئے تیار ہوئے اور قمیص اتار کر چھلانگ لگانے ہی والے

سنے کہ ان کے دل میں ایک خیال آیا کہ اگر وہ ڈوب گیا تو اس کا مکان انھیں مل جائیگا۔ بس فوراً قمیص پہن لی اور دوست کو ڈوبتا ہوا چھوڑ کر سیدھے مالک مکان کے پاس پہنچے۔

قمر۔ پھر کیا ہوا؟

راشد۔ جناب پھر یوں ہوا کہ انھوں نے مالک مکان سے کہا کہ ان کا کرایہ دار ابھی ابھی جمنا میں ڈوب گیا ہے اس لئے وہ مکان اسے کرایہ پر دے دیں۔ (قمر کے ہنسنے کی آواز) مکان مالک مسکرا کر بولے کہ جناب آپ نے دیر کر دی۔ مکان تو کرائے پر اٹھ چکا۔ وہ صاحب بڑے جز بز ہوئے کہ ابھی تو ان کا دوست پوری طرح ڈوبا بھی نہیں ہوگا۔ ابھی سے مکان کیسے کرائے پر اٹھ چکا ــــ تو مکان مالک نے کہا کہ صاحب آپ نے آنے میں دیر کر دی جس شخص نے اسے جمنا میں دھکیل دیا تھا، اسی نے کرائے پر مکان لے لیا۔ (قمر قہقہہ لگاتا ہے)۔

قمر۔ اچھا بھائی میں تو چلا۔ پھر آؤں گا۔

راشد۔ مگر ضرور آنا۔

قمر۔ ہاں آؤں گا ــــ اچھا بھائی آداب۔

نیلو۔ آداب۔

(قمر چلا جاتا ہے۔ راشد ایک لمبی سانس لیتا ہے۔)

راشد۔ ہائے آج کا اتوار بھی غارت ہوا ــــ ہفتے میں ایک ہی اتوار تو ملتا ہے۔ مگر آنے والوں سے خدا بچھائے۔ آ کر ایسے جم جاتے ہیں کہ جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔

نیلو۔ ہوں، مگر پہلے یہ بتائیے کہ آپ قمر بھائی کو یہاں رہنے کی دعوت کیوں دے رہے تھے؟ جگہ کہاں ہے۔ رات کو سارا مکان ریلوے پلیٹ فارم بن جاتا ہے ــــ اس پر آپ انھیں یہاں رہنے کی دعوت دے رہے تھے۔

راشد۔ (ہنستے ہوئے) ارے بھائی وہ تو میں اخلاقاً کہہ رہا تھا ــــ اور کیسے نہ کہتا۔

بچپن کا دوست ہے۔ (ہنستا ہے) تم سچ سمجھ گئیں۔

نیلو۔ اگر وہ تیار ہو جاتے تو؟

راشد۔ نہیں نیلو۔ تم نہیں جانتیں۔ وہ ابھی اس شہر میں نیا نیا آیا ہے —
ظاہر ہے وہ تکلف میں believe کرتا ہے۔ میں جانتا تھا کہ وہ
انکار کر دے گا۔ پھر جب کوئی اندیشہ نہ ہو تو اخلاق جتانے میں کیا حرج ہے۔

(وقفہ)

ہائے رے زندگی — ہائے رے میکانیکل شہر — مجھے اچھی طرح یاد ہے
کہ جب میں قمر کے گھر گیا تھا۔

(فلیش بیک کی میوزک)

تو لوگ کتنا خوش تھے — بچے، بڑے بوڑھے — سبھوں کی خوشی کی انتہا
نہ تھی اور قمر کی امی — (میوزک)......

قمر۔ امی! امی! دیکھئے — یہ راشد آیا ہے۔

راشد — آداب چچی جان!

امّی — جگ جگ جیو میرے لال — خدا سلامت رکھے۔ راستے میں کوئی
تکلیف تو نہیں ہوئی؟ ضرور تھک گئے ہو گے۔ دلہن کیسی ہیں؟ —
(قمر سے مخاطب ہو کر) بیٹیا! راشد کے لئے نہانے کا پانی گرم کراؤ — یہ
تھک گئے ہوں گے۔ میں ناشتے کا انتظام کراتی ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ قمر اور
راشد دونوں کو بچپن ہی سے آلو کے پراٹھے بے حد پسند ہیں — میں خود
بنا کر لاتی ہوں، جب تک راشد نہا کر تیار ہو جائیں۔

راشد — چچی جان! آپ کو بچپن کی بات اب تک یاد ہے۔ (ہنستے ہوئے) مگر آپ
تکلیف نہ کریں۔ باورچن بنا دے گی۔

امّی — اس میں تکلیف کی کیا بات ہے؟ بچوں کے لئے کام کرنے میں تو ماں کو راحت ملتی ہے۔ بیٹا! ہمارے نصیب کہ تم ہمارے گھر آئے۔

(وقفہ اور میوزک)

قمر — دیکھئے امّی راشد ٹھیک سے نہیں کھا رہا۔

راشد — ارے باپ — بس اب نہیں — دیکھئے چچی جان! یہ مجھے کھلا کھلا کر مار دے گا — ارے اب مجھے اُٹھنے بھی دو گے یا نہیں؟ (ہنستا ہے۔)

امّی — کیسی باتیں کرتے ہو بیٹا! انڈے کا حلوہ تو رکھا ہی رہ گیا۔ کم کھاتے ہو اسی لئے دُبلے ہو۔ کم از کم ایک مہینہ رہو تاکہ جی بھر کر کھلا پلا تو سکوں۔

(میوزک کی آواز — وقفہ)

فلیش بیک ختم ہوتا ہے۔

راشد — (خود کلامی کے انداز میں بھاری آواز سے) اوہ — اور ایک میں ہوں کہ قمر پہلی بار میرے گھر آیا تو میں اُسے کھانا بھی نہ کھلا سکا۔ اُف مگر کیا کروں — حالات ہی ایسے ہیں — میں کیا کروں — یہاں سب ہی ایسے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرا احساس ابھی زندہ ہے — اور لوگوں کو تو اس کا احساس بھی نہیں ہے۔ یہ پتھروں کا شہر ہے۔ چلتے پھرتے روبوٹز کا شہر۔ یہاں انسان نہیں رہتے۔

نیلو — ارے آپ کو کیا ہو گیا؟ کیا بک رہے ہیں؟ گھڑی کی طرف دیکھئے — ۲ بج گئے — بازار نہیں جانا ہے کیا؟ کھانا نہیں کھانا ہے؟

راشد — ارے ہاں — مگر چھوڑو — آج اتوار ہے، آج کھانے کی بھی چھٹی — ہفتے میں ایک ہی تو اتوار آتا ہے — یوں ہی سہی (نیلو چلی جاتی ہے۔ راشد خود کلامی کرتا ہے) — قمر چلا گیا اور میں اسے کھانے کے لئے بھی نہ روک سکا — میں بھی پتھر ہوتا جا رہا ہوں — پتھروں کے شہر میں — میں بھی پتھر ہو گیا ہوں۔

مگر میں کیا کروں — میں کیا کروں ؟ ؟

(سین بدل جاتا ہے — میوزک)

دوسرا سین

[صبح کا وقت ہے ۔ غسل خانے سے راشد کے گانے کی ہلکی ہلکی آواز آرہی ہے ۔]

نیلو ۔ (پکارتی ہے) نہاتے ہی رہیے گا یا دفتر بھی جایئے گا ؟ (دھیمی آواز میں) گاتے اس طرح ہیں جیسے تان سین کی روح سما گئی ہے — اُف ۔ ہر کام میں اتنی دیر !

راشد ۔ (غسل خانے سے بولتا ہے) آرہا ہوں بھائی — اُف پانی اس قدر ٹھنڈا ہے کہ جان جارہی ہے اور اس پر تم نے ناک میں دم کر دیا ہے — ٹھیک سے نہا بھی نہیں سکتا ۔ کیا مصیبت ہے ۔ (چلّاتا ہے) آرہا ہوں ۔ (کپکپاتا ہوا نکلتا ہے) ارے باپ رے — کس قدر سردی ہے — ہُو ہُو — اگر میں جانتا تو ......

نیلو — .... تو نہانے کی حماقت نہ کرتا —

راشد — اور کیا — اتنی سردی میں نہانے کی کیا ضرورت ہے ؟

نیلو — قمر کی امّی کا خط آیا ہے کہ تین ماہ سے قمر کا کوئی پتہ نہیں ۔ وہ سخت پریشان ہیں — کیا آپ کو کچھ پتہ ہے ؟

راشد — نہیں تو — میری تو پھر ملاقات ہی نہیں ہوئی — آج اُسے فون کروں گا ۔ کہوں گا کہ اتوار کو آجائے — ضرور فون کروں گا ۔ (ٹھنڈی سانس لیتا ہے)

واہ رے بچپن کے دوست (پھر ٹھنڈی سانس لیتا ہے) ۔۔ اچھا نیلو!
میرا ٹفن بکس دو، دفتر میں دیر ہو رہی ہے ۔۔ اسپیشل بس چھوٹ گئی تو
مصیبت ہی ہو جائے گی ۔ اچھا بھائی میں چلا ۔۔ بائی بائی ۔
نیلو ۔۔ بائی بائی ۔

تیسرا سین

[بس اسٹاپ کا سین ۔ گاڑیوں کے آنے جانے اور مسافروں
کی آوازیں پس منظر سے ابھرتی ہیں ۔ کچھ شور سا ہوتا ہے ۔۔ کیا ہوا ۔
کیا ہوا ؟ کی آوازیں ۔]

ایک آواز ۔۔ کیا ہوا بھائی ؟ ۔۔ کیا ہوا ؟؟
دوسری آواز ۔۔ ایک آدمی چلتی بس سے گر گیا ۔۔ بری طرح زخمی ہو گیا ہے ۔
راشد ۔۔ ارے، یہ تو بے ہوش ہو گیا ہے ۔ خون بے حد بہہ رہا ہے ۔ اسے فوراً
ہسپتال پہنچانا چاہئے ۔ کوئی شریف آدمی معلوم ہوتا ہے ۔
تیسری آواز ۔۔ یوں افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے ؟ ۔۔ آپ اسے ہسپتال کیوں نہیں
پہنچا دیتے ؟
راشد ۔۔ جی ۔ جی ۔ مگر مجھے تو دفتر جانا ہے ۔ مجھے دیر ہو رہی ہے ۔
وہی آواز ۔۔ بہت خوب ! تو پھر ہمدردی کیا ضرورت تھی ؟
راشد ۔۔ تو پھر آپ ہی کیوں نہیں پہنچا دیتے ؟
وہی آواز ۔۔ یہ سوال تو میں نے کیا تھا ۔ سوال کا جواب سوال نہیں ہو سکتا سمجھے ۔ پڑھے
لکھوں کی طرح بات کیجئے ۔۔ سمجھے ؟

راشد — (بوکھلا کر) جی — جی ہاں — (اچانک ایک رکشہ والے کے در آنے پر) ارے
ارے ۔ رکشا والے تم کہاں گھُسے آ رہے ہو؟ دیکھ نہیں رہے یہاں ایک آدمی زخمی پڑا
ہوا ہے اور تم ہو کہ......

رکشہ والا — دیکھت ہیں تبھی تو آوت ہیں بابو — ایک بابو کھون سے نہال ہے اور
تم بابو لوگ ہمدردی دکھاوت ہو — ای نہ ہوئی سکا کہ اُن کا ہسپتال پہونچا
دیتے — اٹھاؤ — اٹھاؤ — اُن کا ہمرے رکسا پر رکھ دیو ہم پہونچا دیت ہیں ۔
کیسا جمانہ آگوا مالک ۔

مختلف آوازیں — ہاں بھائی — لے جاؤ — لے جاؤ ۔

ایک آواز — ارے سترہ نمبر کی بس آگئی — جلدی چلو ۔

کئی آوازیں — چلو بھئی — جلدی چلو ۔

[وقفہ — سین بدل جاتا ہے ۔]

چوتھا سین

[راشد کا گھر جہاں قمر بھی موجود ہے ۔]

راشد — تم بہت اُداس لگ رہے ہو قمر — ! تمہاری صحت بھی بہت خراب
ہو گئی ہے ۔ تم اتنے دنوں سے کہاں غائب تھے ؟ میں نے دفتر فون کیا تو معلوم
ہوا کہ چھٹی پر ہو — تم کہاں تھے ؟

قمر — بتاتا ہوں بھائی — ذرا دم لینے دو — چائے نہیں پلاؤ گے کیا ؟

راشد — کیسی باتیں کرتے ہو ۔ نیلو ابھی چائے لا رہی ہوگی ۔

نیلو — یہ لیجئے چائے — کچھ کھائیں گے بھی قمر بھائی ؟

قیصر۔ نہیں نہیں۔ بس چائے کافی ہے۔ (چائے پیتا ہے) چائے بے حد عمدہ ہے۔ واہ واہ۔

راشد ۔ تم نے بتایا نہیں کہ تم کہاں تھے؟ تمہاری امی کا بھی خط آیا تھا کہ تم نے تین ماہ سے انھیں کوئی خط نہیں لکھا۔

قیصر۔ باعث صرف اتنی سی ہے کہ میں نے نوکری سے استعفیٰ دے دیا ہے۔

راشد ۔ ایں؟ ۔ استعفیٰ دے دیا ہے۔ لیکن کب؟ کیوں دے دیا؟

قیصر۔ اسی کب اور کیوں نے تو زندگی کو اور الجھا دیا ہے۔ (ٹھنڈی سانس لیتا ہے) یہ سوال کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ بھی عجیب ہے (ہنستا ہے)۔

راشد ۔ لیکن تم نے استعفیٰ دیا ہی کیوں؟

قیصر۔ اس لئے کہ میں اس گھٹن کو برداشت نہ کر سکا۔

راشد ۔ کیسی گھٹن کو؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ پہلے اپنے شہر کی لکچررشپ چھوڑ کر اس کاسموپولیٹن شہر میں زندگی کا لطف لینے آئے تھے اور اب گھٹن کی بات کر رہے ہو؟

قیصر۔ ہاں مجھے معلوم نہ تھا کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی۔ (سانس لیتا ہے) سب مصنوعی لوگ ہیں، بالکل مشین کی طرح۔ یہاں عیادت، تعزیت اور خلوص جیسی چیزوں پر وقت ضائع کرنے کی کسے فرصت ہے؟ (ہنستا ہے) میں نے اسی لئے تمہیں اطلاع نہیں دی۔ میں تمہیں ندامت سے بچانا چاہتا تھا۔ صرف اس لئے کہ شاید تم ابھی تک پوری طرح پتھر نہیں بن سکے ہو۔ واہ رے پتھروں کے شہر تجھے میرا سلام (قہقہہ لگاتا ہے)۔

راشد ۔ (سنجیدہ آواز میں) پھر تمہارا پروگرام کیا ہے؟

قیصر۔ پروگرام؟ میں واپس جا رہا ہوں۔

راشد ۔ کہاں؟

قمر۔ وہیں اپنے پرانے چھوٹے سے شہر میں۔ جہاں لوگ اپنے چہرے جیبوں میں لے کر
نہیں گھومتے۔ اُسی شہر میں جہاں لوگ چہروں پر جھوٹے خلوص اور جھوٹے اخلاق کا
ماسک لگا کر نہیں ملتے۔ (آواز تیز ہو جاتی ہے) وہاں انسان اور انسان کے درمیان
کا رشتہ ابھی ٹوٹا نہیں ہے۔ (سانس لیتا ہے) وہاں ہر چہرہ مجھے جانا پہچانا لگتا ہے۔
وہاں کوئی اجنبی نہیں ہے — کوئی اجنبی نہیں۔
راشد۔ (ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے) ہاں قمر! تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم ضرور لوٹ جاؤ —
تم ابھی لوٹ سکتے ہو۔
قمر۔ تم بھی لوٹ چلو راشد — تم بھی وطن لوٹ چلو۔
راشد — کاش! میں بھی واپس جا سکتا۔ مگر پتھروں کے شہر نے مجھے پتھر بنا دیا ہے۔ میں
نہیں لوٹ سکتا۔ گاؤں کی سوندھی خوشبو مجھے پکارتی ہے قمر۔ مگر میں اب نہیں
لوٹ سکتا۔ تم فوراً لوٹ جاؤ — مجھے پتھروں نے جکڑ لیا ہے۔ میں واپس نہیں
جا سکتا — تم لوٹ جاؤ — (آواز تیز ہو جاتی ہے) تم واپس لوٹ جاؤ۔

[میوزک]

ختم شد

مُٹھی بھر خاک

کردار

مولوی بشیر — گاؤں کے سیدھے سادے، معزز فرد
بیگم - بھابھی — مولوی بشیر کی بیوی
ڈاکٹر منیر الحسن عرف مُنّا — مولوی بشیر کا بھائی جو ترکِ وطن کر چکا ہے۔
عزیز ماموں — تانگہ والے، سابق زمیندار اور گاؤں کے رشتے سے مُنّا کے ماموں۔
پنڈت جی — پنڈت ہری شنکر شرما، بشیر کے گہرے دوست۔
دیگر کردار — سرجو، شرفو وغیرہ۔

زمانہ — بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی۔
پسِ منظر — مشرقی یوپی اور بہار کی سرحد کا ایک گاؤں۔

پہلا سین

[گاؤں میں صبح ہونے کا سماں - چڑیوں کی چہچہاہٹ کے پس منظر میں
جانوروں کی گھنٹیوں کی آوازیں - کوئی ہلکے ہلکے انگڑائیاں لیتا ہوا
"سُبحان اللہ" کہہ رہا ہے --- اسی دوران ایک جاتے ہوئے آدمی
کے قدموں کی آہٹ کے ساتھ دور سے "ہرے رام، ہرے رام" کی آواز
اُبھرتی ہے -]

مولوی بشیر --- (دھیرے سے خود سے بولتے ہیں) لگتا ہے اب صبح ہونے والی ہے -
پنڈت جی شاید اشنان کے لئے جا رہے ہیں - (پھر زور سے پکارتے ہیں) کون ہے؟
پنڈت جی ہیں کیا ؟ کہاں جا رہے ہو اتنے سویرے سویرے - ابھی تو صبح بھی
نہیں ہوئی بھائی -

پنڈت جی --- اچھا، ملا جی ! اٹھ گئے، آج کیا بات ہے - ابھی تو اذان بھی نہیں ہوئی -
(نزدیک آ کر آہستہ سے پوچھتے ہیں) رات بیگم سے کھٹ پٹ تو نہیں ہو گئی تھی؟
(پھر ہنستے ہیں، مولوی صاحب بھی ہنستے ہیں -)

مولوی بشیر --- ارے پنڈت، تو بوڑھا ہو گیا مگر عادت نہیں گئی (پھر ہنستے ہوئے)
میری بیگم کو بھی اپنی پنڈتائن سمجھا ہے کیا جو روز تمہاری خبر لیتی ہے -

پنڈت جی --- اچھا چھوڑو اس قصے کو - مجھے دیر ہو رہی ہے - یہ بتاؤ کہ سویرے سویرے
پکار کر میرا جاتنرا کیوں خراب کیا تم نے ؟

مولوی بشیر --- ارے پنڈت ! آج تمہارا جاترا شبھ ہو گیا - یہ کیوں نہیں کہتے -

پنڈت جی — اپنے منہ میاں مٹھو۔ سویرے سویرے تم کو دیکھ لیا ہے۔ آج کا بھگوان ہی مالک ہے۔

مولوی بشیر — (ہنستے ہیں) اچھا ہے، دیکھ لینا۔ آج اتنی دکشنا ملے گی کہ یاد رکھو گے۔ سویرے سویرے کہاں جا رہے ہو تم۔

پنڈت جی — اشنان کرنے جا رہا ہوں — اور کیا تمہاری طرح عید کے عید نہاتا ہوں۔ (ہنستا ہے)

مولوی بشیر — ارے بھیا! اشنان کرنے سے کیا ہوگا؟ تن کو کتنا دھوؤ گے، کبھی من کو بھی دھوؤ — من پر تو میل جم گئی ہے تمہارے۔ (ہنستا ہے)

پنڈت جی — اے ملا جی! میں تو من کو دھوؤں گا۔ مگر تم جو بے کار سر پٹکتے رہتے ہو اس کی بھی کبھی سوچی ہے۔ (ہنستے ہوئے) اچھا ٹھہرو۔ کل ہولی ہے نا، تمہاری ایسی گت بناؤں گا کہ برسوں داڑھی سے رنگ نہیں چھوٹے گا۔

مولوی بشیر — اماں، ہولی کھیلنی ہے تو پنڈتائن سے کھیلو، مجھ سے کھیل کر کیا لے گا؟

پنڈت جی — تم سے نہیں کھیلوں گا ہولی تو کیا بیگم سے کھیلوں گا! (ہنستا ہے)

مولوی بشیر — کھیل کر دیکھو، تین عدد جھاڑو تیار رکھے ہیں۔

پنڈت جی — بس، تین ہی جھاڑو؟ بقیہ تم کھا چکے ہو کیا؟ (دونوں ہنستے ہیں۔ اذان کی آواز آتی ہے اور پھر دور سے ناقوس کی آواز بھی آتی ہے۔)

پنڈت جی — اچھا بھئی چلتے ہیں۔ دیر ہو گئی۔

مولوی بشیر — ہاں، ہاں — جاؤ۔ میں بھی وضو کر کے مسجد جاؤں گا — نماز قضا ہو جائے گی۔

(دونوں چلے جاتے ہیں۔)

دوسرا سین

[پسِ منظر سے ڈھولک پر ہولی گانے کی آواز ابھرتی ہے۔ گانا گاتے
ہوئے ہولی کی ٹولی مولوی بشیر کے گھر کی طرف آرہی ہے۔ آواز نزدیک
ہوتی جارہی ہے۔]

پنڈت جی ۔ ارے شرفو، ذرا بھاگ کر مولوی صاحب کے مکان کے پیچھے چلے جاؤ۔
کہیں وہ پیچھے والے دروازے سے بھاگ نہ جائے۔

شرفو ۔ اچھا چاچا ۔ میں جاتا ہوں، مگر پچھم والی گلی میں بھی کسی کو بھیج دو، ورنہ
مولوی صاحب ادھر سے بھی نکل سکتے ہیں۔

پنڈت جی ۔ ارے کہاں بھاگ کر جائیں گے۔ آج تو اس کی گت بنانی ہے۔ خاص طرح
کا رنگ لایا ہوں مولوی کے لیے ۔۔ ارے سرجو بیٹا تو پچھم والی گلی میں چلا جا۔
اگر مولوی صاحب ادھر سے بھاگیں تو مجھے آواز دینا اور مولوی کا پیر پکڑ کر
بیٹھ جانا بس میں دیکھ لوں گا۔ بڑا بنا ہے مولوی۔

(ہولی گانے کی آواز بڑھتی جارہی ہے "ہولی ہے! بُرا نہ مانو
ہولی ہے" کی آواز گونج رہی ہے ۔۔ مولوی صاحب اپنے گھر میں
گھبرا رہے ہیں۔)

مولوی بشیر ۔ (گھبرائی آواز میں) بیگم، بیگم ۔۔ ارے بھائی کہاں ہو تم ؟

بیگم ۔ (دُور سے) یہیں تو ہوں۔ کیوں چلّا رہے ہیں۔ سبزی بگھار رہی ہوں۔ ابھی
آتی ہوں۔

مولوی بشیر ۔ (بگڑ کر) ارے سبزی بگھارتی رہو گی یا اِدھر بھی آؤ گی ؟

بیگم ۔ (آتے ہوئے) لیجیے آ گئی۔ ذرا سا کام کرنا دشوار ہے۔ ایسے چلّاتے ہیں

جیسے قیامت آ گئی ہے۔

مولوی بشیر۔ (گھبرائے ہوئے لہجے میں) ارے بھائی قیامت تو ایک ہی بار آتی ہے مگر یہ قیامت تو ہر سال آتی ہے۔ سُن نہیں رہی ہو کہ ہولی کی ٹولی کے گانے کی آواز آ رہی ہے۔ ضرور وہ پنڈت سب کو لے کر اِدھر آ رہا ہوگا۔

بیگم۔ آ رہے ہیں تو آنے دیجئے۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے ۔ وہ تو ہر سال آتے ہیں۔

مولوی بشیر۔ (بگڑ کر) لو، سُنو! ہر سال آتے ہیں تو کیا ہوا ۔ وہ پنڈت کل ہی مجھے دھمکی دے کر گیا تھا ۔ اچھا، ایسا کرو۔ میں پچھلے دروازے سے بھاگ کر مسجد میں چلا جاتا ہوں۔ دیکھیں وہاں کیسے پہنچتے ہیں یہ لوگ۔

بیگم۔ (سمجھاتے ہوئے) بے کار بات ہے۔ بھاگنے سے کیا فائدہ ۔ اور بھاگ کر کہاں جائیے گا۔ (ہنستی ہے)

(ہولی گانے کی آواز قریب تر ہو رہی ہے)

مولوی بشیر۔ (گھبرا کر) ارے یہ کم بخت تو پہنچ ہی گئے۔ ذرا کھڑکی سے دیکھو تو پچھم والی گلی صاف ہے نا؟ میں اُدھر سے ہی نکل جاؤں گا۔

(بیگم جاتی ہے۔ مولوی صاحب دھیرے دھیرے بڑبڑاتے ہیں "بڑی مصیبت ہے، کیسے بچا جائے" ذرا سی دیر میں بیگم واپس آ جاتی ہے۔)

بیگم۔ (ہنستے ہوئے) جی نہیں، پنڈت جی کا بھتیجا سرجو گلی میں رنگ لئے آپ کا منتظر ہے اور پچھلے دروازہ پر شرفو پہرہ دے رہا ہے۔ (ہنستی ہے)

مولوی بشیر۔ ایں شرفو، اُس کم بخت کو مجھ سے کیا دشمنی ہے۔ سخت مشکل ہے ۔ اُف کیا کروں ......؟

(دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

پنڈت جی۔ (پکارتے ہیں) مولوی بشیر! کہاں ہو بھائی۔ باہر آؤ۔

بیگم۔ (زور سے) کون ہے؟

پنڈت جی۔ (باہر سے آواز آتی ہے) میں ہوں بھابھی۔ ہولی کا پکوان دینے آیا ہوں۔
بھائی صاحب نہیں ہیں کیا؟

مولوی بشیر۔ (سرگوشی میں کہتے ہیں) کہہ دو کہ نہیں ہیں۔ نماز پڑھنے گئے ہیں۔

بیگم۔ (زور سے) وہ نماز پڑھنے گئے ہیں بھیّا۔

پنڈت جی۔ (ہنستے ہوئے) ارے بھابھی، کاہے کو اس مولوی کے چکر میں آکر جھوٹ
بولتی ہو۔ میں پہلے ہی جھانک کر دیکھ چکا ہوں۔ مولوی تمہارے سامنے ہی کھڑا کانپ
رہا ہے۔ بس دروازہ کھول دو (ہنستا ہے) میں رنگ لے کر نہیں آیا ہوں۔ بس
تھوڑا پکوان لایا ہوں (پھر پکارتا ہے) او ملّا جی۔ ڈرپوک کیوں ہو۔ اچھا چلو
رنگ نہیں ڈالوں گا — مگر باہر تو آؤ۔

مولوی بشیر۔ (مصنوعی غصے سے) ابے اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ مگر وعدہ کرو کہ
رنگ نہیں ڈالو گے — مجھے زکام ہو گیا ہے۔ طبیعت خراب ہو جائے گی۔

پنڈت جی۔ (ہنستے ہوئے) ارے مینڈک کو بھی کہیں زکام ہوتا ہے؟ اچھا بابا نہیں ڈالوں
گا رنگ۔ مگر پردے سے باہر تو آؤ۔

(کواڑ کھلنے کی آواز۔ مولوی صاحب باہر آتے ہیں۔)

مولوی بشیر۔ دیکھو، وعدہ خلافی نہیں کرنا۔

[چاروں طرف سے لوگ مولوی صاحب کو گھیر لیتے ہیں "ارے ....
یہ کیا بدتمیزی' .... ارے رُک بھی جاؤ" اور دوسری طرف سے
"ہولی ہے — بُرا نہ مانو ہولی ہے" کی آواز گونجتی رہتی ہے۔]

مولوی بشیر۔ ابے پنڈت بس بھی کرو۔ ..... آ ..... آ ..... اماں چہرہ کیوں خراب
کر رہے ہو ..... بہت ہوا — ارے، خدا سمجھے تم سے .....

پنڈت جی۔ (ہنستے ہوئے) خدا تو سمجھے گا ہی۔ پہلے ذرا میں تو سمجھ لوں تم سے! —

ہاں ... .اب مزا آیا ــــ دیکھ لو کالے مُنہ پہ چمکتی لال داڑھی کیسی
خوبصورت لگ رہی ہے ــــ بھابھی دیکھ کر تم پر فدا ہو جائیں گی ۔ (پکار کر)
بھابھی ذرا دیکھ لو اپنے میاں کا حال ۔ کیسا خوبصورت لگ رہا ہے ۔

مولوی بشیر ۔ لاحول ولاقوۃ ......اچھا ۔ اچھا بتاؤں گا ــــ

بیگم ــ (اندر سے آواز دیتی ہیں) بھیا ' آپ لوگ بیٹھکے میں تشریف رکھئے ــــ میں کھیر
بھیج رہی ہوں سب کے لئے ۔

مولوی بشیر ــ (بگڑ کر) کھیر! ان کم بختوں نے میری دُرگت بنادی اور تم انھیں کھیر
کھلاؤ گی ؟ ہرگز نہیں ۔

بیگم ۔ میں نے خاص طور سے کھیر پکا کر رکھی ہے تو کھلاؤں گی نہیں ؟

پنڈت جی ــ تم چُپ رہو مُلّا جی ۔ یہ میرا اور بھابی کا معاملہ ہے ۔ تم کیوں جل رہے ہو۔
ہاں ' بھابھی ذرا جلدی سے بھیجئے گا ۔ ابھی ہم لوگوں کو خان صاحب کے گھر بھی
جانا ہے ۔ وہ انتظار کر رہے ہوں گے ۔

مولوی بشیر ــ تو یعنی ' تم خان صاحب کو بھی نہیں چھوڑو گے ؟

پنڈت جی ــ کیوں چھوڑیں گے ؟ ہولی ہے ! اور خاں صاحب تمہاری طرح ڈرپوک
ہیں کیا ؟ چلو چل کر دیکھ لو ۔ انھوں نے تو خود ہی رنگ اور عبیر کا انتظام کر رکھا
ہے ۔ چلو تم بھی چلو ۔

مولوی بشیر ــ نا بابا ۔ میں نہیں جاؤں گا ۔ ابھی نہا دھو کر تیار ہونا ہے ۔ پھر کچھ سامان
لانا ہے ۔ کل مُنّا آ رہا ہے ۔

پنڈت جی ۔ (تعجّب سے) کون آ رہا ہے ! منّا ؟ (خوش ہو کر) ارے کب آ رہا ہے ۔
تم نے اتنی بڑی خبر مجھے نہیں بتائی ؟

مولوی بشیر ــ بتاتا کب ؟ آج ہی تو تار ملا ہے ۔ تم ہوش میں کب ہو جو بتاتا ۔

پنڈت جی ۔ پورے پچیس سال کے بعد منّا آ رہا ہے اور تم اس طرح کہہ رہے ہو جیسے

کوئی بات ہی نہیں۔

مولوی بشیر — ہاں پنڈت! مجھے تو یقین ہی نہیں آتا کہ منّا آرہا ہے۔ پورے پچیس ۲۵ سال بعد آرہا ہے۔ میں نے اسے بیٹے کی طرح پالا ہے۔

پنڈت جی — کتنا بڑا ہو گیا ہوگا۔ میٹرک پاس کرکے جو گیا تو پھر اُسے نہیں دیکھا۔ ظالموں نے اس درمیان کتنے گھر بانٹ دیئے۔

مولوی بشیر — (خوش ہوکر) ارے اب وہ منّا نہیں ہے جسے تم کندھے پر چڑھا کر دسہرہ دکھانے لے جاتے تھے۔ وہ اب ڈاکٹر منیر الحسن ایف۔ آر۔ سی۔ ایس ہے۔

پنڈت — ارے ڈاکٹر ہے تو کیا ہوا — میرے لئے تو وہ وہی منّا ہے جسے میں گڑ کی بھیلی دیا کرتا تھا اور جو مجھے "تاتا" کہتا تھا۔ (ہنستا ہے) اچھا میں چلتا ہوں۔ پھر تو گاؤں میں کل جشن منایا جائے گا۔ اپنا منّا جو آرہا ہے (ہنستا ہے)۔ بڑا مزا آئے گا۔

(پنڈت جی چلے جاتے ہیں۔)

تیسرا سین

[اسٹیشن کا منظر — گاڑی رکنے کی آواز — "قُلی"، "قُلی" اور خوانچے والوں کی آوازیں۔]

مُنّا — قُلی ...... قُلی ...... ارے بھائی اِدھر آنا۔

قلی — ہاں صاحب، کہاں جانا ہے، چلئے۔

مُنّا — بھائی مجھے سلیم پور جانا ہے۔ کیا کوئی سواری مل جائے گی؟

قلی — ہاں صاحب، تانگہ مل جائے گا۔ باہر چلئے، سامان اٹھائیں؟

مُنّا ۔ ہاں، ہاں اُٹھاؤ ۔ کیا ٹیکسی نہیں مل سکتی ؟

قلی ۔ نہیں صاحب ۔ کچے راستے پر تانگہ کے سوا کچھ نہیں جائے گا۔

مُنّا ۔ کچا راستہ ہے ؟ ارے ہاں ۔ یہاں سڑک کب تھی ۔ اچھا چلو ۔

[اسٹیشن سے باہر کا سماں ۔ مختلف آوازیں " کہاں جائیے گا صاحب "۔ " اِدھر آیئے میرا گھوڑا دیکھئے "۔ " اِدھر آیئے "۔ " اِدھر آیئے "۔]

مُنّا ۔ سلیم پور جانا ہے ۔

تانگے والا ۔ چلئے صاحب ۔ میں فوراً پہنچاؤں گا ۔ قلی بھیا سامان رکھ دو تانگے پر ۔

(قلی سامان رکھ دیتا ہے)

تانگے والا ۔ آیئے صاحب بیٹھ جایئے ۔

مُنّا ۔ ذرا تیز چلنا بھائی ۔ کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے ؟

تانگے والا ۔ پون گھنٹہ لگے گا صاحب ۔ ہٹ ۔ ٹخ ٹخ ۔ چل بیٹا ۔ (تانگے والا گھوڑے کو چلاتا ہے) ذرا بچ کے بھائی ۔ دیکھ کر بھیّا ۔ چل بیٹا ، گھر چلنا ہے ۔

(تانگہ چلنے کی آواز)

مُنّا ۔ (خود سے باتیں کرتے ہوئے) کتنی ہریالی ہے ان بستیوں میں اور کیسی تازہ ہوا ہے ۔ جہاں میں رہتا ہوں وہاں سب کچھ تو ہے ۔ مکان ، کار ، پیسہ ، رونق ، کلب ، ٹی ۔ وی ۔ مگر پھر بھی ایسا سکون نہیں ہے ۔ اور یہاں کچھ بھی نہیں مگر کیسا سکون ہے ۔ پورے پچیس سال بعد گاؤں جا رہا ہوں ۔ یہ سڑکیں ، یہ بستیاں سب آتی جا رہی ہیں ۔ (پس منظر میں تانگے کی ٹخ ٹخ کی آواز) بھیّا اور بھابھی تو بوڑھے ہو چکے ہوں گے ۔ میں نے جب گاؤں چھوڑا تھا تو جوان تھے ۔ مگر پچیس ۲۵ سال بعد..... کتنا طویل عرصہ بیت چکا ہے ۔ بھابھی کتنا خوش ہوں گی مجھے دیکھ کر (لمبی سانس لیتا ہے) میں نے اپنی ماں کو تو دیکھا بھی نہیں ۔ ماں کی ممتا مجھے بھابھی سے ہی تو ملی تھی اور میں اس سے پچیس سال محروم رہا ہوں ۔ اچانک

اسے پاکر میرا دم ہی نہ نکل جائے۔ (تانگے والے کی آواز سے اس کا دھیان بٹتا ہے)

تانگے والا۔ صاحب، سلیم پور میں کہاں جایئے گا؟ وہ دیکھئے گاؤں دکھائی دے رہا ہے۔

مُنّا۔ (چونک کر) ہاں ہاں۔ وہ دکھائی دے رہا ہے۔ میرا گاؤں (خوش ہوکر) میں پہچان گیا — اپنے گاؤں کو۔ میرا گاؤں!

تانگے والا۔ (چونک کر) میرا گاؤں؟ صاحب آپ کون ہیں؟ کس کے گھر جائیں گے؟

مُنّا۔ مَیں — میں مولوی بشیر صاحب کے گھر جاؤں گا — تم جانتے ہو اُن کو؟ — میں اُن کا چھوٹا بھائی ہوں۔

تانگے والا۔ نہیں۔ ایں — نہیں ..... نہیں — (دھیرے سے) مولوی بشیر کا بھائی ..... (زور سے) ارے تم مُنّا ہو کیا؟

مُنّا۔ (چونک کر) ہاں، ہاں — میں منّا ہی تو ہوں۔ تم مجھے کیسے جانتے ہو؟ تم کون ہو؟ ایں .... (دھیرے سے) یہ شکل تو مجھے جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔ کس کی شباہت اس تانگے والے میں ہے؟ .... (زور سے) ارے تم عزیز ماموں کی طرح لگ رہے ہو؟

تانگے والا۔ ہاں بیٹا! میں عزیز ماموں ہی ہوں۔ (نحیف آواز میں)

مُنّا۔ (حیرت سے) آپ ...... ارے آپ اتنے بوڑھے کیسے ہو گئے؟ — یہ آپ تانگہ کیوں چلانے لگے؟ ...... عزیز ماموں، میں کیا دیکھ رہا ہوں — یہ کیسے ہوا؟

تانگے والا۔ وقت وقت کی بات ہے بھیّا! اب تو تانگہ چلاتے ہوئے بھی دس سال بیت گئے۔ (کھانستا ہے)

مُنّا۔ (خود کلامی) عزیز ماموں ...... عزیز ماموں زمیندار ...... عزیز ماموں بانکے جوان،

شکاری — نہیں یہ عزیز ماموں نہیں ہو سکتے۔ عزیز ماموں تو زمیندار تھے۔
گھوڑے پر بیٹھے، کاندھے سے بندوق لگائے جاتے ہوئے بانکے جوان، جن پر
لوگوں کی نگاہیں ٹھہر جاتی تھیں — عزیز ماموں تانگے والے کیسے ہو سکتے ہیں۔
(عزیز ماموں کی کھانسی کی آواز تیز ہو گئی ہے)

مُنّا — عزیز ماموں! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟ اس قدر کھانسی؟

عزیز — (غمناک آواز میں) مجھے ٹی۔بی۔ ہو گئی ہے بھیا، بس انتظار کر رہا ہوں موت کا۔

مُنّا — (چونک کر) کیا؟...... ٹی۔بی؟ — لیکن آپ علاج کیوں نہیں کراتے؟ یہ
مرض تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔

عزیز — (ہنستے ہوئے) ہاں! یہ مرض تو ٹھیک ہو سکتا ہے مگر غریبی کا مرض کیسے ٹھیک
ہو گا۔ علاج کے لئے پیسے کہاں سے آئیں گے۔ دن بھر تانگے چلا کر جو دو چار
روپے مل جاتے ہیں اس سے گھر کا خرچہ تو چلتا ہی نہیں۔ دوا اور غذا کے لئے
پیسے کہاں سے لاؤں گا — (لمبی سانس لے کر) اچھا چھوڑو اس بات کو — تم
کیسے ہو بیٹا؟ پچیس سال کے بعد تمہیں دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ بڑی اچھی تندرستی
ہے۔ خدا تمہیں اقبال مند بنائے۔ گاؤں کو تو بالکل ہی بھول گئے تم؟ بشیر میاں تو
تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے تھک گئے۔

مُنّا — ہاں ماموں۔ مگر گاؤں کو بھولا نہیں تھا میں۔ یہ گاؤں اور گھر تو ہر جگہ میرے
ساتھ رہے ہیں — (لمبی سانس لے کر) اس مٹی کی سوندھی خوشبو اور
آم کے منجروں کی میٹھی میٹھی خوشبو تو ہر جگہ میرا پیچھا کرتی رہی ہے — مگر میں آ نہیں
سکتا تھا — مجھے آنے کی اجازت نہیں تھی نا!

عزیز — (چونک کر) اجازت نہیں تھی! ارے تمہیں گھر آنے سے کون مائی کا لال روک
سکتا ہے؟

مُنّا — (ہنستے ہوئے) آپ سمجھے نہیں۔ ملک کے بٹوارے کے وقت جب ہر طرف فسادات

ہو رہے تھے تو بھیّا نے مجھے کراچی بھیج دیا تھا نا — وہیں ڈاکٹری پاس کر کے مجھے نوکری مل گئی۔ نوکری ایسی تھی کہ میں یہاں آ نہیں سکتا تھا ..... بس یوں ہی تڑپتا رہا۔

عزیز — مگر کیوں ؟

مُنّا — (چونک کر حیرت کے ساتھ) ارے ! عزیز ماموں یہ سامنے والی حویلی کیسے گر گئی۔ یہ خان بہادر والی حویلی ہے نا ؟

عزیز — ہاں، یہ خان بہادر کی حویلی تھی مگر ان کے مرنے کے بعد ان کے بچے وطن چھوڑ کر چلے گئے۔ اب اس میں بیڑی کے پتّوں کا گودام ہے۔

مُنّا — (افسوس کے ساتھ) خان بہادر کی حویلی میں پتّوں کا گودام! (خود کلامی) اس حویلی کی رونق تو دُور دُور تک مشہور تھی۔ پورے علاقے میں خان بہادر کے نام کا ڈنکا بجتا تھا — اور اب وہاں گودام ہے ! (ٹھنڈی سانس لے کر) ٹھیک ہی ہے۔ وقت کس کا ساتھ دیتا ہے۔

عزیز — لو بھیّا گاؤں آ گیا — کچھ یاد بھی ہے راستہ گاؤں کا ؟

مُنّا — کیا بات کرتے ہیں ماموں۔ مجھ کو اس کی ہر گلی یاد ہے۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) میرا بچپن انھیں گلیوں میں تو گُم ہو گیا ہے ماموں — میں انھیں گلیوں اور پگڈنڈیوں کے لئے پچیس ۲۵ برسوں تک تڑپتا رہا ہوں۔ کنکریٹ کی شفاف سڑکوں اور اس پر پھسلتی ہوئی کاروں میں وہ رعنائی نہیں ہے جو ان گلیوں کی دھول میں ہے۔ اس میں خوشبو ہے۔ خلوص کی، محبت کی خوشبو — (زور سے) ماموں تانگہ روک دیجئے۔ اب میں پیدل جاؤں گا۔

عزیز — نہیں، نہیں — راستہ بہت گندہ ہے — کیچڑ ہے راستے میں۔ تمہارے جوتے اور کپڑے خراب ہو جائیں گے۔

مُنّا — نہیں، نہیں — روک دیجئے ماموں، روک دیجئے — میں پیدل جانا چاہتا ہوں۔

(درد بھری آواز میں) میں اس دھرتی کو اپنے پیروں تلے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کی دھول میں نہا کر اپنے کھوئے ہوئے ماضی کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ (زور سے) روک دو، تانگہ روک دو۔

عزیز — (گھوڑے کو چمکارتے ہوئے) چہ — چہ۔ رُک جا بیٹا۔ بس۔ بس — لو بھائی روک دیا — مگر سامان؟ اچھا تم آگے جاؤ، میں لیتا آؤں گا۔

مُنّا — ہاں ٹھیک ہے۔ میں اچانک پہنچوں گا تو بھیا اور بھابھی کتنا خوش ہوں گی۔ (خود کلامی) بھیا اور بھابھی — میرے ماں اور باپ — انھوں نے ہی تو مجھے پالا تھا، محبت دی تھی اور میں بدبخت ۲۵ برسوں تک ان کی محبت سے محروم رہا۔ اب تو وہ بوڑھے بھی ہو چکے ہوں گے ...... ارے یہ دوسری گلی؟ یہ پختہ مکان کس کا ہے۔ پہلے تو نہیں تھا ...... میں ٹھیک ہی تو جا رہا ہوں۔ راستہ تو نہیں بھول رہا۔ نہیں، نہیں — وہ سامنے نیم کا پیڑ ہے۔ اسی کے پیچھے تو ہمارا مکان ہے — ہمارا مکان — ہمارا مکان (زور سے) ہمارا مکان — ہمارا گاؤں ...... ارے وہ رہا ہمارا مکان — اور سامنے کوئی پلنگ پر بیٹھا ہے ...... بھیّا لگتے ہیں — ہاں ہاں۔ بھیا ہی تو ہیں — ارے کتنے بوڑھے لگ رہے ہیں ..... بال بھی سفید ہو گئے۔ (دوڑنے لگتا ہے اور چلّاتا ہے) بھیّا ..... بھیّا —

بشیر — کون؟ منّا — ارے منّا آگیا (خوشی سے چلاتے ہوئے) ارے منّا آگیا۔ (دونوں لپٹ جاتے ہیں) میرا مُنّا — میرا بھیّا۔ (روتی ہوئی آواز میں) میرا بیٹا۔ میرا لال ..... ارے تو کتنا بڑا ہو گیا — ہمیں بھول گیا تھا — ہمیں بھول گیا تھا۔

مُنّا — (روتے ہوئے) نہیں بھیا — تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ تم تو میرے سب کچھ تھے — سب کچھ تو تمہارا ہی دیا ہوا ہے۔ تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں ..... مگر تم اتنا کمزور کیسے ہو گئے بھیّا — !

بشیر — (ہنستے ہوئے) لو! بھلا میں کمزور کہاں ہوں — اچھا، اچھا۔ تو ڈاکٹر ہے نا۔

ٹانک کھلا کر موٹا کر دینا — مگر ذرا بھابھی سے تو مل - رات بھر تیرے انتظار میں
نہیں سوئی ہے - پاگل ہے خوشی سے -
مُنّا — ہاں بھیّا — وہ تو میری ماں ہیں — کہاں ہیں ؟ میں اندر جاتا ہوں - (پکارتے
ہوئے جاتا ہے) بھابھی ! بھابھی ! دیکھو کون آیا ہے ؟
بھابھی — (خوشی سے بھری آواز میں) ارے میرا مُنّا - میرا بیرن -
مُنّا — آداب -
بھابھی — جیتے رہو — جُگ جُگ جیو — تمہیں میری عمر لگ جائے — اتنے دنوں بعد
بھابھی یاد آئی -
مُنّا — نہیں بھابھی — یاد تو تم ہر دن، ہر لمحہ آتی رہی ہو - ہر سانس پر تمہاری یاد آتی
تھی - مگر مجبوری تھی نا بھابھی - ظالموں نے ہمارے درمیان دیواریں کھڑی کر دی
ہیں - لکیریں کھینچ کر ہمیں جدا کر دیا ہے بھابھی -
بشیر — (اندر آکر) اچھا، اچھا — باتیں کئے جاؤ گے یا کچھ کھاؤ گے بھی — ہاتھ مُنہ دھو لو -
دیکھو بھابھی نے تمہاری پسند کی چیزیں پکائی ہیں -
مُنّا — سچ ؟ کیا پکایا ہے بھابھی ؟
بھابھی — ویسے تو میں نے بہت کچھ پکایا ہے - مگر تمہارا پسندیدہ سرسوں کا ساگ اور
چنے کی روٹی بھی ہے -
مُنّا — (چلّا کر) واہ واہ مزا آ گیا — پورے پچیس[۲۵] سال بعد بھابھی کے ہاتھ کا کھانا
کھاؤں گا - اور وہ بھی سرسوں کا ساگ اور چنے کی روٹی - مزا آ جائے گا -
بھابھی — ارے تم سرسوں کی ساگ پر اتنا خوش کیوں ہو رہے ہو ؟ خدا نے وہاں تمہیں
کیا کچھ نہیں دیا ہے - کس بات کی کمی ہے ؟
مُنّا — خدا نے سب کچھ دیا ہے مجھے وہاں — مگر تمہاری جیسی بھابھی تو نہیں دی —
یقین جانو، سرسوں کا ساگ کھائے پچیس[۲۵] برس ہو گئے مگر اب بھی مُنہ میں اس کا

ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔

بشیر — عزیز ماموں سامان لے آئے ہیں۔ تم جا کر دیکھ لو۔

مُنّا — ہاں ہاں — کرایہ بھی تو دینا ہے۔

بشیر — نہیں — پہلے پوچھ لینا۔ ایسا نہ ہو بُرا مان جائیں۔ بے چارے عزیز ماموں (لمبی سانس لیتا ہے)۔

مُنّا — ٹھیک ہے — (باہر جاتا ہے) شکریہ عزیز ماموں۔ سامان لے آئے! اگر بُرا نہ مانیں تو ایک بات کہوں — (جھجھک کر) آپ تانگے کا کرایہ لے لیجئے ماموں۔

عزیز — (چونک کر آہستہ سے) ایں۔ کرایہ — کیسا کرایہ؟ — پچیس سال بعد گھر واپس آنے والے بیٹے سے کرایہ؟ نہیں — نہیں — اس کی ضرورت نہیں۔

مُنّا — لیکن عزیز ماموں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

عزیز — بیٹا، میں غریب ضرور ہو گیا ہوں، مگر ابھی تھوڑی غیرت باقی ہے۔

مُنّا — (لجاجت سے) نہیں اس میں برا ماننے کی بات نہیں عزیز ماموں۔ یہ تو بزنس ہے۔

عزیز — بزنس؟ — بیٹا ہم گاؤں کے لوگ ہیں۔ ہم نے اپنوں سے بزنس کرنا ابتک نہیں سیکھا۔ شہر کی باتیں ہم کیا جانیں۔

مُنّا — (گھبرا کر) نہیں نہیں، ایسی بات نہیں۔ معاف کر دیجئے — اگر آپ کو دُکھ ہوا تو میں شرمندہ ہوں۔

عزیز — شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم تو اب عادی ہو چکے ہیں بیٹا — خوش رہو۔ شام کو آؤں گا تو باتیں ہوں گی۔

مُنّا — ہاں ضرور آیئے گا۔ میں آپ کو دوا دوں گا۔

بشیر — میں کہتا تھا نا کہ عزیز ماموں کی غیرت ابھی زندہ ہے۔ (ٹھنڈی سانس لیتا ہے) دولت چلی گئی، زمینداری چلی گئی مگر رگوں میں خون وہی باقی ہے — اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔

تم جاکر کھانا کھالو - تمہاری بھابھی انتظار کر رہی ہے - تھوڑی دیر بعد پنڈت جی بھی آنے والے ہیں تم سے ملنے کو -

مُنّا - کون پنڈت جی ؟

بشیر - بھول گئے ! ارے وہی پنڈت ہری شنکر شرما ، جنھیں تم پنڈت کا کا کہتے تھے اور جو تمہیں محرم اور دسہرے میں تماشہ دکھانے لے جایا کرتے تھے -

مُنّا - ہاں ہاں — پنڈت کا کا — بھلا میں انھیں کیسے بھول سکتا ہوں — کس قدر پیار کرتے تھے مجھے — اور ان کا ایک لڑکا بھی تو تھا ..... کیا نام تھا اُس کا ..... ہ ..... سریش — ہاں سریش - وہ کہاں ہے ؟

بشیر - (دُکھ بھری آواز میں) سریش کلکتے میں نوکری کرتا تھا - کتنا اچھا ، کتنا نیک - (سانس لے کر) فساد کے دنوں میں کسی ظالم نے اس پر بم پھینک دیا -

مُنّا - اے - کب ؟ تو کیا اب وہ ..... ؟

بشیر - ہاں — وہ نہیں رہا - جوان بیٹے کا غم کھانا آسان نہیں تھا ، مگر کمال ہے پنڈت کا - آج بھی سب سے ویسی ہی محبت کرتا ہے - اس میں کوئی فرق نہیں آیا — زمانہ بدل گیا ، لوگ بدل گئے ، مگر وہ نہیں بدلا - میرا پرانا دوست ہے اور آج تک دوستی نباہ رہا ہے - سچ پوچھو تو اسی کے سہارے ہم گاؤں میں ٹکے ہوئے ہیں ، ورنہ یہاں رہنا مشکل تھا ..... (رُک کر) تم اندر جاؤ ، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے -

مُنّا - ہاں میں جاتا ہوں — پنڈت کا کا آجائیں تو بلا لیجئے گا -

---

چوتھا سین

بشیر - آؤ ہری شنکر آؤ — میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا -

پنڈت - کیا حال ہے ؟ — مُنّا آگیا ؟ میں اسی کو دیکھنے آیا ہوں — کافی بڑا

ہوگیا ہوگا۔

بشیر۔ ہاں آ گیا ۔۔ ابھی بلاتا ہوں ۔۔ (پکارتا ہے) منا ۔۔ منا! ۔۔ دیکھو کون آیا ہے۔

(منا آتا ہے)

منّا ۔ آداب کاکا۔

پنڈت ۔۔ جیتے رہو ۔۔ ارے یہ منا ہے؟ ۔۔ اتنا بڑا! میں نے تو پہچانا ہی نہیں۔

منّا ۔ ہاں کاکا پچیس سال ہو گئے بچھڑے ہوئے۔ مگر آپ بھی کافی بوڑھے ہو گئے۔ کمزور بھی لگ رہے ہیں۔ آپ کی صحت تو ٹھیک ہے نا؟

پنڈت ۔۔ (ہنستے ہوئے) لو سنو! ڈاکٹر کو سارے لوگ مریض ہی دکھائی دیتے ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں اور تم تو ڈاکٹر ہو ہی، باقی سب بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ (ہنستا ہے) لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہم لوگوں کو، اس گاؤں کو تم بھول کیسے گئے؟

منّا ۔۔ میں بھولا کہاں کاکا۔

پنڈت ۔۔ پچیس سال بعد یاد آیا گاؤں ۔۔ اور یہ بشیر دن رات تمہیں یاد کر کے روتا رہتا تھا مگر تم.......

منّا ۔ (دکھ بھری آواز میں) کاکا ۔۔ آپ نہیں سمجھ سکتے کہ میں کس قدر گھٹ گھٹ کر رہا ہوں۔ اس گاؤں کی ہریالی، بھیّا، بھابھی، آپ لوگ اس قدر یاد آتے تھے کہ زندگی کی ساری خوشیاں پا کر بھی میں اداس ہی رہا ہوں۔ مگر.....

پنڈت ۔۔ مگر کیا؟

منّا ۔۔ میں آ نہیں سکتا تھا۔ مجھے اجازت نہیں تھی آنے کی۔

پنڈت ۔۔ (حیرت سے) اجازت نہیں تھی؟ بھلا گھر آنے سے تمہیں کون روک سکتا تھا بھیّا!

منّا ۔۔ میں ہندوستانی نہیں ہوں کاکا.....

پنڈت ۔۔ تم ہندوستانی نہیں ہو تو پھر کون ہو؟ ۔۔ ارے تم یہاں پیدا ہوئے، بڑے

ہوئے، تمہارا گھر ہے یہاں......

مُنّا — مگر کاکا، قانون ...... آپ سمجھتے کیوں نہیں؟

پنڈت — قانون....؟ (ٹھنڈی سانس لے کر) ہاں — میں سمجھ گیا۔ ظالموں نے ملک نہیں بانٹا، گھر بانٹ دیئے، دل بانٹ دیئے — ہے بھگوان تیری بھی کیا لیلا ہے۔

مُنّا — کاکا میں آپ کے لئے چھوٹی سی چیز لایا ہوں۔ لیجئے!

پنڈت — ارے یہ کیا ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے.... کیا ہے اس پیکٹ میں؟

مُنّا — کھول کر دیکھ لیجئے۔

پنڈت — (پیکٹ کھولتے ہوئے) ارے یہ تو گرم چادر ہے۔ بہت سُندر ہے۔ لیکن یہ تو بہت قیمتی لگتی ہے۔

مُنّا — (ہنستے ہوئے) کاکا سے زیادہ قیمتی تھوڑی ہی ہے۔

پنڈت — (خوش ہوکر) لیکن مجھے کیوں دے رہے ہو اس کی کیا ضرورت ہے۔

مُنّا — ضرورت کیسی؟ میں دو چادریں لایا تھا۔ ایک بھیا کو دی، ایک آپ کو، دونوں ہی میرے لئے برابر ہیں۔

پنڈت — (خوش ہوکر) ہاں ہاں، بھلا کیوں نہیں — مُنّا دے گا تو کاکا کیوں نہیں لے گا — بھگوان تمہیں سُکھی رکھے، سُکھی رکھے — تم اتنا آدر کر رہے ہو میرا۔ (جذباتی انداز میں بولتا ہے) دیکھا بشیر! دیکھا تم نے مُنّا ہم دونوں کو کتنا پیار کرتا ہے۔ ملک بانٹنے والے ہمارا پیار نہیں بانٹ سکے۔

بشیر — ہاں ہری شنکر تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم دونوں اس گرم چادر کو اوڑھ لیں تو بالکل ایک جیسے لگیں گے۔

پنڈت — ارے تو کیا ابھی ایک جیسے نہیں ہیں؟ تم نے داڑھی رکھ لی اور میں نے چندن لگا لیا تو کیا ہم دو ہو گئے؟ کیسی باتیں کرتے ہو!

بشیر — نہیں نہیں — میرا مطلب ہے...... سب لوگ ہری شنکر کی طرح نہیں

سوچئے بھائی!

پنڈت — نہ سوچیں، ہمیں فکر کیا ہے۔ جب تک بشیر اور ہری شنکر ایک طرح سوچتے ہیں، سب ٹھیک ہے۔ کیوں منّا؟

مُنّا — ہاں کاکا، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔

پنڈت — اچھا بھائی میں چلا۔ ذرا پنڈتائن کو دکھادوں کہ ہمارا منّا کاکا کے لئے کیسی اچھی چادر لایا ہے۔ کل پھر آؤں گا۔

مُنّا — اچھا آداب کاکا۔

پنڈت — جیتے رہو۔

پانچواں سین

[بشیر کا گھر۔ بہت لوگ بیٹھے ہیں۔ فضا بے حد سنجیدہ ہے۔]

بشیر — مُنّا، تم نے سُنا، عزیز ماموں کیا کہہ رہے ہیں؟

مُنّا — (گھبرائی ہوئی آواز میں) نہیں تو — کیا بات ہے؟

عزیز — فضل پور میں رات دنگا ہوگیا۔ پورا گاؤں جلا دیا گیا۔ سینکڑوں لوگ زخمی ہوگئے۔ پورے علاقے میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ اسٹیشن کے بازار میں بھی سُنا ہے آج سویرے دنگا ہوا ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔

بشیر — بڑی بُری خبر ہے۔ خدانخواستہ ہمارے گاؤں میں بھی آگ پھیل گئی تو کیا ہوگا۔ یہاں تو دو چار ہی گھر ہیں ہم لوگ — اللہ رحم کرے۔ منّا بھی آیا ہوا ہے۔

عزیز — ہاں بھائی خدا ہی خیر کرے۔ کچھ لوگ یہاں بھی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں۔

مُنّا — (گمبھیر آواز میں) گھبرانے کی کوئی بات نہیں بھیا! اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک

رہے گا۔ پنڈت کاکا ہیں نا، وہ سب سنبھال لیں گے۔
عزیز۔ میں اُن کے گھر گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ سویرے ہی اسٹیشن گئے تھے، ابھی تک
نہیں لوٹے ہیں۔ انھیں کا تو سہارا ہے۔
بشیر۔ وہ بے چارہ بھی اکیلا کیا کرے گا؟ (چونک کر) ارے وہ کون دوڑتا ہوا آرہا ہے،
...... شرفو لگتا ہے۔
عزیز۔ ہاں شرفو ہی تو ہے۔ مگر بھاگ کر کیوں آرہا ہے؟ خدا خیر کرے۔
شرفو۔ (نزدیک آکر گھبرائی ہوئی آواز میں) عزیز ماموں۔ غضب ہو گیا۔
غضب ہو گیا۔
عزیز۔ (گھبرا کر) کیا ہوا بیٹا؟ جلدی کہو، خیریت تو ہے؟
شرفو۔ خیریت کہاں ہے ماموں۔ غضب ہو گیا۔ پنڈت جی بُری طرح زخمی ہو گئے۔
(سبھی لوگ۔ حیرت سے۔ ایں۔ کیسے ہیں؟)
بشیر۔ کیا کہہ رہے ہو تم؟ کون زخمی ہو گیا۔ ہری شنکر!۔ ارے کیسے؟
شرفو۔ ہاں مولوی صاحب! پنڈت جی سویرے بازار گئے تھے۔ وہاں دنگا ہو گیا۔
کسی نے پنڈت جی کو بھی زخمی کر دیا۔ لوگ انھیں چارپائی پر لاد کر گھر لائے ہیں۔
کافی چوٹ ہے اور خون بھی کافی ضائع ہوا ہے۔
بشیر۔ ارے کس ظالم نے اُسے مارا...... میں ابھی جاتا ہوں اُسے دیکھنے۔
شرفو۔ نہیں مولوی صاحب رک جائیے۔ وہاں مت جائیے۔
بشیر۔ (حیرت اور غصے سے) مت جائیے!.... تو پاگل ہو گیا ہے کیا؟۔ ہری شنکر
زخمی پڑا ہے اور تو کہتا ہے میں نہ جاؤں۔
شرفو۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ پنڈت جی کے مکان پر سینکڑوں لوگ اکٹھا ہیں اور بے حد
غصے میں بدلہ لینے کی بات کر رہے ہیں۔ میں کسی طرح بچ کر بھاگ آیا ہوں۔ وہاں
جانے میں خطرہ ہے۔

بشیر۔ بدلہ لینے کی بات کر رہے ہیں تو ٹھیک ہی کر رہے ہیں۔ جس نے مارا ہے اس سے بدلہ لینا ہی چاہیئے۔ میں خود اُس ظالم سے بدلہ لوں گا ..... مگر مجھے کیا ڈر ہے۔ میں نے تھوڑے ہی مارا ہے۔

عزیز۔ شرفو ٹھیک کہہ رہا ہے بشیر میاں۔ وہاں ابھی جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ فضا خراب ہو چکی ہے۔ ہم لوگوں کو اب اپنے بچاؤ کی سوچنی چاہیئے۔

بشیر۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہری شنکر زخمی پڑا ہو اور بشیر نہ جائے .... نہیں نہیں، میں ضرور جاؤں گا — چاہے جو ہو۔

مُنّا۔ نہیں — آپ میں سے کوئی نہیں جائے گا۔ میں جاؤں گا۔ (عزم بھرے آواز میں)

بشیر۔ تم جاؤ گے؟ — نہیں میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔

عزیز۔ نہیں نہیں — تمہیں تو کوئی پہچانتا بھی نہیں، تمہیں نہیں جانا چاہیئے — ہرگز نہیں۔

شرفو۔ بھیّا مت جاؤ تم۔ لوگ پاگل ہو رہے ہیں غصّے سے۔ آثار اچھے نہیں ہیں۔

مُنّا۔ نہیں، میں ضرور جاؤں گا۔

بھابھی۔ (روتی ہوئی) نہیں ہرگز نہیں۔ میں مُنا کو نہیں جانے دوں گی۔ (زور سے بولتی ہے) میرا مُنا نہیں جائے گا۔

مُنّا۔ بھابھی! مُنا نہیں جائے گا مگر ڈاکٹر منیر الحسن کو جانا ہی ہوگا۔ مریض اور ڈاکٹر کا کوئی نام نہیں ہوتا بھابھی۔ کاکا کو اس وقت ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ مجھے جانا ہی ہوگا۔ آپ لوگ گھر کے اندر جایئے اور کاکا کی زندگی کے لئے دعا کیجئے۔

شرفو۔ بھیا! لوگ وہاں ہتھیار لئے کھڑے ہیں۔ آپ ہرگز نہ جایئے۔

مُنّا۔ (سخت آواز میں) ہتھیار لئے کھڑے ہیں تو کیا ہوا۔ میں بھی خالی ہاتھ نہیں ہوں۔ میرے ایک ہاتھ میں دوائیوں کا بکس اور دوسرے ہاتھ میں آلہ ہے۔ اس سے بڑا

کوئی ہتھیار نہیں ہوتا شرنو — میں جا رہا ہوں بھیا — آپ لوگ مت گھبرایئے گا — خدا حافظ۔
بشیر۔ (ڈوبی ہوئی آواز میں) خدا حافظ — اللہ کی پناہ میں۔
بھابھی۔ (روتے ہوئے) خداوندا! منا کی حفاظت کرنا۔ اسے اپنی امان میں رکھنا۔
(منا چلا جاتا ہے۔)

چھٹا سین

[پنڈت جی کا گھر — سینکڑوں لوگ اکٹھا ہیں۔ مختلف جوش بھری آوازیں سنائی دیتی ہیں۔]

ایک آواز — ہم بدلہ لے کر رہیں گے۔
دوسری آواز — ایک کا اکیس[21] بدلہ لیں گے۔ ہم کائر نہیں ہیں۔
سرجو — (غصّے میں) چاچا کو زخمی کر دیا۔ بدلہ تو ایسا لیں گے کہ زندگی بھر علاقہ والے یاد کریں گے۔ آج ہی بدلہ لیں گے۔ (زور سے) آج ہی۔
(پنڈت جی کے کراہنے کی آواز)
پنڈت — ہے رام! — یہ کون لوگ بول رہے ہیں۔ کون بدلہ لینے کی بات کر رہا ہے۔ سرجو کی آواز لگتی ہے ..... (پکارتے ہیں) سرجو — سرجو — اِدھر آ۔
سرجو — کیا بات ہے چاچا! تم فکر نہ کرو۔ ہم تمہارے خون کی ہر بوند کا بدلہ لیں گے۔
پنڈت — (تعجب سے) بدلہ لوگے! مگر کس سے؟
سرجو — جن لوگوں نے تم کو مارا ہے۔
پنڈت — مگر جس نے مجھے مارا ہے اُسے تو تم جانتے بھی نہیں۔

سرجو — اس سے کیا ہوا ؟ — (جوش کے ساتھ) ہم سارا گاؤں اجاڑ دیں گے۔ کیا سمجھتے ہیں یہ لوگ۔ –

پنڈت — جس نے مجھ پر گنڈاسہ چلایا تھا، میں اسے جانتا ہوں۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) سب پاگل ہو رہے تھے بیٹا — کوئی ہوش میں نہیں تھا۔ تم بدلے کی بات مت کرو۔

سرجو — نہیں چاچا، ہم بدلہ لے کر رہیں گے۔ ایک کا اکیس[۲۱] بدلہ لیں گے۔ (جوش سے) اور آج ہی بدلہ لیں گے۔ ہم کائر نہیں ہیں –

پنڈت — (سخت آواز میں) تو بدلہ لے گا ؟ ایک کا اکیس[۲۱] سے بدلہ لے گا ؟ — بہادر ہے تو ؟ میرے بدلے میں دوسرے بے قصوروں کو مارے گا، یہی بہادری ہے ؟ یہ تو کائرتا ہے مورکھ۔

سرجو — تم چپ رہو، میرے سر پہ خون سوار ہے۔ جب تک تمہارا بدلہ نہیں چکا، میں اَن نہیں لوں گا۔

پنڈت — (کراہتے ہوئے مگر سخت آواز میں) اِدھر آ — میرے پاس آ۔

سرجو — لو، پاس آگیا — کیا بات ہے ؟

پنڈت — (سخت آواز میں) تو میرا بھتیجا ہے نا — مجھے چاچا کہتا ہے۔ (سانس لیتا ہے)

سرجو — ہاں !

پنڈت — تو لے ! (طمانچہ مارنے کی آواز 'چٹاخ' گونجتی ہے۔ پنڈت جی سرجو کو طمانچہ مارتے ہیں۔)

سرجو — (بوکھلائی آواز میں) چاچا — تم نے مجھے طمانچہ مار دیا ؟

پنڈت — ہاں میں نے طمانچہ مار کر اپنا بدلہ لے لیا۔ (ٹھنڈی سانس لیتا ہے) جس نے مجھے مارا تھا نا، وہ بھی مجھے چاچا کہتا تھا۔ تو بھی مجھے چاچا کہتا ہے۔ بدلہ ہو گیا۔ (محبت بھری آواز میں) پاگل ! خبردار جو کسی نے بدلے کی بات کی ہے۔ میرے

گاؤں میں کچھ ہوا تو ....

(وقفہ)

.... پہلے تجھے مجھ کو مارنا ہوگا، پھر بوچی میں آ کے کہنا۔ سمجھے — پہلے مجھے مار دے .....

(منا کمرے میں داخل ہوتا ہے۔)

منّا — کاکا آداب! کیا ہوگیا کاکا؟

پنڈت — (خفیف آواز میں) کون؟ — منا؟ — ارے بیٹا تم کیسے آ گئے؟ تمہیں نہیں آنا چاہئے تھا۔

منّا — میں ڈاکٹر منیر الحسن ہوں کاکا — آپ کو ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔

پنڈت — (گھبرا کر) ارے راستے میں تو تمہیں کسی نے .....؟

منّا — نہیں کاکا — میرے ہاتھ میں آلہ دیکھ کر ہتھیار لئے ہوئے لوگ بھی الگ ہٹ گئے۔ لایئے میں زخم دیکھوں؟ ..... ارے یہ تو بہت گہرا ہے ..... ٹانکا لگانا ہوگا۔ (سرجو کی طرف دیکھ کر) تم کون ہو؟ ..... سرجو ہو نا؟

سرجو — (دھیمی آواز میں) ہاں! میں سرجو ہوں۔

منّا — تو کھڑے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو، جلدی سے پانی گرم کرواؤ — میں ان کے زخم صاف کر کے پٹی باندھوں گا — جلدی کرو — کاکا! مجھے پہلے ہی خبر دینی تھی ...... خواہ مخواہ اتنا خون برباد ہوگیا۔

پنڈت — کوئی بات نہیں بیٹا — (کراہتے ہوئے) اگر میرے خون سے آگ بجھ جائے تو مجھے کوئی غم نہیں۔

منّا — کاش! مارنے والے نے آپ کا دل دیکھا ہوتا کاکا۔

پنڈت — کوئی بات نہیں۔ مجھے مار کر بھی وہ میرے سدھانت کو نہیں بدل سکتا — سب کا خون ایک جیسا ہے — سب کا خون ایک ہے .... ہائے .... اُف۔

(کراہتا ہے)

مُنّا۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔

سرجو۔ ڈاکٹر صاحب! گرم پانی۔

مُنّا۔ ارے یار سرجو! تم تو میرے ساتھ کبڈی کھیل چکے ہو، مُنّا کیوں نہیں کہتے۔
کیا ڈاکٹر واکٹر کہہ رہے ہو۔ پانی اِدھر رکھ دو اور کاکا کو سنبھال لو۔ ذرا کاکا کو
چت لٹا دو...... ہاں، بس ۔ ایسے ہی۔

پنڈت ۔ (جذباتی آواز میں) دیکھ رہا ہے سرجو...... دیکھ لے تو..... اب مُنا سے
بدلہ لے گا؟ لے لے بدلہ ۔ دیکھا تو نے ہم کو کس نے مارا اور کس نے مرہم
رکھا۔ (تیز آواز میں) دیکھا..... دیکھا تو نے ..... ارے مورکھ پاگلوں کو سمجھا۔

سرجو۔ ہاں چاچا تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں نادم ہوں ۔ تم نے ٹھیک ہی کیا جو مجھے طمانچہ
مار دیا ۔ میں پاگل ہو گیا تھا۔

مُنّا ۔ (حیرت سے) طمانچہ..... کیسا طمانچہ؟

پنڈت ۔ میں نے مارا تھا اسے ۔ بدلے کی بات کر رہا تھا مورکھ ۔ (کراہتا ہے)
آہ ۔ آہ ۔

مُنّا ۔ کاکا ذرا برداشت کر لیجئے.... بس ۔ بس ۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔

پنڈت ۔ (درد بھری آواز میں) ہے رام دیا کرو۔ بڑھاپے میں کیوں دُکھ دیتے ہو....
میں چلنے کو تیار ہوں پربھو۔

مُنّا ۔ کاکا! کیسی مایوسی کی باتیں کرتے ہیں ۔ آپ بچ گئے تو سینکڑوں کی جان بچ گئی۔
ابھی انجکشن لگا دوں گا۔ آپ کو نیند آ جائے گی۔ صبح تک بالکل آرام ہو جائے گا
۔ میں روز ڈریسنگ کر دوں گا۔ ایک ہفتے میں آپ بالکل اچھے ہو جائیں گے۔

پنڈت ۔ ہاں بیٹا! جیتے رہو۔ تم نے میرے زخم پر مرہم رکھ دیا۔ (پھر سرجو سے
کہتا ہے) دیکھ سرجو بیٹا! میں سو جاؤں گا مگر تم رات بھر جاگتے رہیو بیٹا ۔

گاؤں میں پہرہ دینا ہے۔ کہیں کوئی دشٹ کچھ کر نہ بیٹھے۔

سرجو۔ نہیں چاچا۔ میں جاگتا رہوں گا۔ کچھ نہیں ہوگا۔ میں بشیر چاچا کے گھر پر رات میں رہوں گا۔

پنڈت۔ شاباش بیٹا، شاباش — مُنّا کو اپنے ساتھ لے کر جانا..... ہے پربھو، — سب کو سنت بُدھی دو، سب کی رکھشا کرو پربھو!

مُنّا۔ کاکا! اب آپ سو جائیے۔ اللہ نے چاہا تو صبح تک آرام ہو جائے گا۔ میں پھر صبح میں آؤں گا — اور اگر کوئی تکلیف ہو تو مجھے رات میں بلوا لیجئے گا۔

پنڈت۔ جیتے رہو بیٹا۔ جیتے رہو۔

ساتواں سین

[بشیر کا گھر۔ جہاں گھر کے سارے لوگ یکجا ہیں۔]

مُنّا۔ بھابھی ہمیں کل سویرے ہی جانا ہے۔ سامان سب ٹھیک کر لیا یا نہیں؟

بھابھی۔ ہاں بھیا، ضروری سامان باندھ لیا ہے۔ مکان کی چابی اور بقیہ سامان عزیز ماموں کے حوالہ کر دوں گی۔ (غمناک آواز میں) میرا تو جی ڈوبا جا رہا ہے۔ ہم اس گھر کو کیسے چھوڑ کر جائیں گے — بھیا، کیا دو چار روز اور نہیں رک سکتے۔

مُنّا۔ نہیں بھابھی، میرا ویزا ختم ہو رہا ہے — کل جانا ہی ہوگا۔

بھابھی۔ ٹھیک ہے — مگر اپنے بھیا کو دیکھ رہے ہو؟ جس روز سے یہ طے ہوا ہے کہ ہم لوگ تمہارے ساتھ جائیں گے، ان کا کھانا پینا چھوٹ گیا ہے — بالکل خاموش رہتے ہیں۔

مُنّا۔ (بشیر سے) بھیا، اتنا اُداس ہونے سے کیسے کام چلے گا؟

بشیر۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) مُنّا! میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔ میں اِس گھر،

اِس گاؤں کو نہیں چھوڑ سکتا - تم بھابھی کو لے کر چلے جاؤ -

بھابھی - آپ نہیں جائیں گے تو میں جا کر کیا کروں گی ؟ کیا مجھے ہی اپنی جان سب سے زیادہ عزیز ہے ؟

مُنّا - (ہمدردی کے ساتھ) میں سمجھتا ہوں بھیّا کہ آپ کے دل پر کیا گذر رہی ہے - مگر اس موت کے سائے میں کب تک جی سکیں گے آپ ! دیکھئے کیسا خون خرابہ ہوا ہے - گاؤں کے گاؤں اُجڑ گئے - یہاں رہنا اب مشکل ہے ---- اور پھر ہم بھی تو وہاں خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں - آپ ساتھ رہیں گے تو ہم سب خوش رہیں گے - آپ اپنا ارادہ مت بدلئے - آپ کو چلنا ہی ہوگا ---- میں آپ لوگوں کو اس خطرے میں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں ---- اِس فساد میں آپ لوگ بچ گئے لیکن کل بھی تو فساد ہو سکتا ہے -

بشیر - (درد بھری آواز میں) تم نہیں سمجھو گے مُنّا ! یہ میرا گاؤں ...... یہ میرا گھر ہے - میرے کھیت ہیں - یہاں امّاں اور ابّا کی قبریں ہیں ---- دادا کی قبر ہے - ان پر کون فاتحہ پڑھے گا - (جذباتی آواز میں) کون فاتحہ پڑھے گا - امام باڑے پر ہر محرّم میں چراغ کون جلائے گا ؟ ---- میں اس گاؤں کو ، ہری شنکر کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا ---- نہیں جا سکتا .....

مُنّا - سب ٹھیک ہے - مگر حالات کے آگے سب مجبور ہیں - یہاں رہنا خطرناک ہے - اور ہری شنکر کاکا تو جیتے نہیں رہیں گے - کافی بوڑھے ہو چکے ہیں ---- ان کے بعد کیا ہوگا ؟

بشیر - کوئی اور ہری شنکر پیدا ہو جائے گا - دنیا ہری شنکروں اور بشیروں سے خالی تھوڑی ہو جائے گی ---- عزیز ماموں اور اشرفو کہاں جائیں گے ...... میں نہیں جاؤں گا -

مُنّا - جذباتی باتیں مت کیجئے بھیّا ! آگ جب بھڑکتی ہے تو جذبات اُسے سرد نہیں کر سکتے - آپ کو میری خاطر چلنا ہوگا -

بشیر۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ خداوندا کیسی آزمائش میں

ڈال دیا تونے؟

مُنّا۔ بھیا! آپ کچھ مت سوچئے۔ جو میں کہہ رہا ہوں اُس کو مان لیجئے۔ میری خواہش

کو آپ نے کبھی نہیں ٹھکرایا ہے۔ یہ آخری بات مان جایئے۔

بشیر۔ تم کہو تو اپنی جان بھی دے سکتا ہوں ۔ تمہارے سوا ہمارا ہے بھی کون ——

مگر......

مُنّا۔ تو پھر میری بات مان جایئے۔ کل سویرے ہم چلیں گے۔ میں نے ہری شنکر کاکا

کو بھی خبر کر دی ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہو گئے ہیں۔ کل صبح آئیں گے۔

بشیر۔ خداوندا میری مدد کر..... (رونے لگتا ہے) میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا مالک۔

آٹھواں سین

[بشیر کا گھر۔ صبح کا وقت ہے۔ روانگی کے لئے سامان تیار ہے۔]

مُنّا۔ بھابی سب کچھ تیار ہے نا؟ بس ایک گھنٹے کے بعد ہم لوگ روانہ ہو جائیں گے۔

بھابھی۔ (روہانسی آواز میں) ہاں بھیا سب تیار ہے۔ بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں ——

میں اس بلّی کو بھی ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔

مُنّا۔ (چونک کر) بلّی کو! کیا کہہ رہی ہیں آپ؟

بھابھی۔ (لجاجت سے) ہاں بھیّا —— ہم نے برسوں سے اس کو پالا ہے۔ دیکھو کیسی حسرت

سے میری طرف دیکھ رہی ہے۔ شاید اسے بھی پتہ چل گیا ہے کہ ہم جا رہے ہیں ——

رات میرے بستر میں گھس کر ایسی چمٹی جا رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو —— مجھے بھی

لیتی چلو —— (جذباتی آواز میں) میں اسے چھوڑ نہیں سکتی بھیا —— میں نے جیپ سے

پلا ہے اسے۔
مُنّا۔ لیکن یہ ممکن نہیں بھابھی۔ ہم اسے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔
بھابھی۔ کیوں؟
مُنّا۔ اس میں قانونی دشواری بھی ہو سکتی ہے۔ سرحد پر دشواری ہوگی۔
بھابھی۔ بھلا بلّی پر کیا قانون لاگو ہوگا۔۔۔ نہیں نہیں۔ میں اسے لے جاؤں گی۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ (رونے لگتی ہے) میں اسے لے جاؤں گی۔
مُنّا۔ بھابھی! ضد نہ کیجئے دیر ہو رہی ہے۔ بھیا باہر ہیں۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ عزیز ماموں وغیرہ آئے ہوئے ہیں اور پنڈت کاکا بھی آنے والے ہیں۔

(منّا باہر جاتا ہے)

بشیر۔ آپ کا دکھ میں سمجھتا ہوں عزیز ماموں۔ مگر میں کیا کروں؟ میرا تو دل ڈوب رہا ہے!
عزیز۔ (درد بھری آواز میں) تم جا رہے ہو بشیر میاں تو ہم لوگوں کا کیا ہوگا؟ تمہارا سہارا تھا۔
بشیر۔ کیسی بات کرتے ہیں عزیز ماموں۔ سہارا تو اللہ کا ہوتا ہے۔
عزیز۔ ہاں میاں، مگر تم کیوں اللہ کے سہارے کو چھوڑ رہے ہو؟

(مُنّا آتا ہے)

مُنّا۔ کیا بات ہے عزیز ماموں۔ کیا کہہ رہے تھے آپ بھیا کو؟
عزیز۔ کچھ نہیں میاں (درد بھری آواز میں) بشیر میاں ہمیں اللہ کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔ ٹھیک ہی ہے۔ غریبوں کا سہارا صرف اللہ ہی ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔۔
تم لوگ جاؤ۔ خوش رہو۔۔۔۔۔

میرے دل کی حالت آپ کو
بشیر۔ (جذباتی آواز میں) ایسا نہ کہئے عزیزنا موں ......
نہیں معلوم ۔ کاش! مجھے یہیں موت آجاتی ۔
مُنّا ۔ بھیا ۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں ۔ ہمت سے کام لیجئے ۔
بشیر ۔ ہمّت ہی سے تو کام لے رہا ہوں ۔
مُنّا ۔ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں؟.... (جذباتی آواز میں) روک لیجئے ان
آنسوؤں کو ورنہ میری ہمت بھی ان آنسوؤں میں ڈوب جائے گی بھیا ۔۔
بشیر ۔ (آنکھیں پونچھتے ہوئے روہانسی آواز میں) نہیں نہیں، میں کہاں رو رہا ہوں ...
..... میں نہیں رو رہا ہوں ۔ میں نہیں ۔۔
مُنّا ۔ وہ دیکھئے پنڈت کاکا آ گئے ۔ آداب کاکا ۔
پنڈت ۔ جیتے رہو بیٹا ۔ سُکھی رہو ۔ سب تیاری ہو گئی کیا؟
مُنّا ۔ ہاں کاکا ۔ بس آپ ہی کا انتظار تھا ۔
پنڈت ۔ (بشیر کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے) بشیر!
بشیر ۔ (روتے ہوئے) ہری شنکر! (بشیر ہری شنکر سے لپٹ جاتا ہے۔) ہری شنکر،
ہری شنکر! (روتے ہوئے)
پنڈت ۔ (روتی ہوئی آواز میں) تو تم بھی مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو ۔ کچھ تھوڑے دن
رُک جاتے ۔ میں زیادہ دن زندہ نہیں رہوں گا ۔ مجھے مر جانے دیتے پھر شوق
سے چلے جاتے ۔
بشیر ۔ (روتے ہوئے) ہری ..... ہری ..... کاش! میں ہی مر گیا ہوتا ۔۔ میرا جی
ڈوب رہا ہے بھائی ..... میں نہیں جانا چاہتا، مُنّا ضد کر گیا ۔ میں تمہیں چھوڑ کر
کیسے جا سکتا ہوں ۔
مُنّا ۔ کاکا! آپ ہی سمجھائیے بھیّا کو ۔
پنڈت ۔ (طنزیہ انداز میں) میں سمجھاؤں؟ تم چاہتے ہو کہ میں اپنے ہاتھوں سے ان کو

ٹکڑے کر دوں منا ؟

منّا ۔ کاکا، حالات بہت خطرناک ہو گئے ہیں، اسی لئے میں مجبور تھا۔ بھیا کو اس خطرے میں چھوڑ کر کیسے جاؤں ؟

پنڈت دتا ۔۔ ٹھیک ہی تو ہے ۔ میرا کیا ادھیکار ہے ۔ (جذباتی آواز میں) میں نے تو سنا تھا کہ لوگوں کو وشواس ہے کہ مرتیو اپنے سمئے سے آتی ہے ..... مگر موت کے سائے سے بھاگنا ہی چاہیئے ۔۔ مگر ہم کہاں جائیں بھاگ کر ۔۔۔۔ ہم کہاں جائیں بشیر ۔۔۔

منّا ۔۔ کاکا ! میں آپ کے جذبات کو سمجھتا ہوں مگر .....

پنڈت دتا ۔۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) بیٹا ! اگر میں جانتا کہ میرے زخم پر ٹانکے لگا کر ٹھیک کر دینے کے بعد تم اتنا گہرا زخم لگا دو گے تو میں اُسی زخم سے مر جانا بہتر سمجھتا ..... (درد بھری آواز میں) یہ زخم تو اتنا گہرا ہے کہ کبھی نہ بھر سکے گا ۔۔۔ (رونے لگتا ہے) تم بشیر کو لے جا رہے ہو، بھابھی کو لے جا رہے ہو تو میں یہاں رہ کر کیا کروں گا ۔۔۔ ہو سکے تو مجھے بھی لیتے چلیے ۔۔۔ (روتا ہے)

بشیر ۔۔ (گمبھیر آواز میں) نہیں ہری شنکر، میں نہیں جاؤں گا ۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔

منّا ۔۔ (زور سے) بھیا ؟ ۔۔۔

پنڈت دتا ۔ نہیں بشیر ! منا تمہارا بھائی ہے ۔۔۔ بھائی کا ادھیکار ہوتا ہے ۔۔۔ (بھرائی آواز میں) میں تمہارا بھائی تھوڑے ہی ہوں ۔ میں تو ہری شنکر ہوں ۔ تم بشیر ہو ۔۔۔ بشیر اور منیر بھائی ہو سکتے ہیں ۔۔۔ بشیر اور ہری شنکر کو دنیا بھائی نہیں مان سکتی ۔۔ تم جاؤ ..... ضرور جاؤ ۔۔۔

بشیر ۔۔ (فیصلہ کن آواز میں) میں نہیں جاؤں گا ۔

منّا ۔ (چلاتا ہے) بھیا !

بشیر ۔۔ ہاں، میں نہیں جاؤں گا ۔۔ کوئی نہیں جائے گا ۔ تم جا سکتے ہو ۔۔ تمہارے ساتھ مجبوری ہے ۔

منّا — (لجاجت سے) بھیا! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

بشیر — میں ٹھیک کہہ رہا ہوں — میں اس گاؤں کو، اپنے ماں باپ کی قبروں کو، اپنے ہری شنکر کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا — میں اس مٹی سے پیدا ہوا ہوں اور اِسی مٹی میں دفن ہوں گا۔

پنڈت — (جذباتی آواز میں چلّاتا ہے) بشیر، بشیر، میرا بھائی۔

بشیر — ہاں ہری شنکر! کاغذ پر لکیریں کھینچ کر زمین بانٹی جا سکتی ہے، انسان کے دل نہیں بانٹے جا سکتے — میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تمہارے ساتھ جیا ہوں، تمہارے ساتھ ہی مروں گا۔ میں نہیں جاؤں گا —

بھابھی — میں بھی نہیں جاؤں گی بھیّا۔

منّا — (ٹھنڈی سانس لے کر) لیکن میرا ویزا تو ختم ہو رہا ہے —

بشیر — ہاں! تم جاؤ۔ لیکن ٹھہرو — یہ لے لو — اِسے لیتے جاؤ اپنے ساتھ۔
(جیب سے کاغذ کی پڑیا نکال کر منّا کی طرف بڑھاتا ہے۔)

منّا — اِس کاغذ کی پڑیا میں کیا ہے بھیّا؟

بشیر — اِس پڑیا میں مَیں نے گاؤں کی مٹھی بھر خاک رکھ لی تھی — اب میں نہیں جا رہا ہوں، تم یہ مٹی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔

منّا — (جذباتی آواز میں) بھیّا! یہ خاکِ وطن — یہ مٹی کتنی مقدس ہے — کس قدر پیار بھری خوشبو ہے اس میں۔ کتنا پیار، کتنا اپنا پن ہے اس میں — اس سے زیادہ قیمتی تحفہ میں اور کیا ساتھ لے جا سکتا تھا — جانتے ہیں بھیا، میں جو مکان بنوانے جا رہا ہوں اُس کی بنیاد میں اس مُٹھی بھر خاک کو ڈال دوں گا اور اِس میں سے ایک چُٹکی مٹی بچا کر رکھ لوں گا ..... تاکہ جب مروں تو اسی مٹی کے ساتھ دفن کیا جاؤں۔

بشیر — (جذباتی آواز میں زور سے) منّا — میرے بھیّا، تم کیا کہہ رہے ہو —؟

پنڈت — منّا ٹھیک کہہ رہا ہے بشیر — لے جانے دو اِس مٹی کو۔ اُس نے اِسی مٹی سے جنم لیا تھا۔ اِس مٹی پر اُس کا ادھیکار ہے ....

منّا — اچھا بھیا — میں اب چلوں گا — اجازت دیجئے۔

بشیر — خدا حافظ — خدا تمہیں خوش رکھے۔ دل چھوٹا نہ کرنا۔ میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔

منّا — ہں آپ کا درد سمجھتا ہوں بھیا — آپ دل سے مجبور ہیں اور مجھے ان لکیروں نے مجبور کر دیا ہے جو ہمارے درمیان کھینچ دی گئی ہیں۔ ہم دونوں مجبور ہیں ..... دونوں بے بس ہیں بھیا .....

پنڈت — ایک دن یہ لکیریں ٹوٹ جائیں گی منّا — اَوشیہ ٹوٹیں گی۔

بشیر — آمین۔

منّا — ہاں کاکا — ہم اُس دن کا بے چینی سے انتظار کریں گے — خدا حافظ۔

پنڈت اور بشیر — خدا حافظ۔

شفیع مشہدی کے قلم سے —

- شاخِ لہو — افسانوں کا مجموعہ (۱۹۷۶ء)
- دوپہر کے بعد — ڈراموں کا مجموعہ (۱۹۸۲ء)
- ؟ — افسانوں کا مجموعہ (زیرِ ترتیب)
- ؟ — شعری مجموعہ (زیرِ ترتیب